کتابیں، ہم نشیں میری

(حصہ اول)

مرتب:

مرزا بشیر احمد شاکر

میزان پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
MEEZAN

محترم شمیم سالک کے لئے
پرخلوص نذرانہ جنکی انتھک
کاوشوں سے یہ کتاب معرض
وجود میں آچکی ہے

مرزا بشیر شاکر
01-5-2017

کتابیں ہم نشیں میری

حصّہ اوّل

مرتب

مرزا بشیر احمد شاکر

ناشر

میزان پبلشرز

ISBN-978-93-80691-25-1

نام کتاب : کتابیں ہم نشیں میری

مرتب : مرزا بشیر احمد شاکر

کمپوزنگ : فیروز احمد کمار، بشارت احمد بابا

سرورق : بشیر احمد

سنہ اشاعت : ۲۰۱۷ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۲۰۰ روپے

ناشر : میزان پبلشرز اینڈ ڈسٹر بیوٹرز بٹہ مالو سرینگر

9419002212,84940012,7006773403

E.mail: meezanpublishers@gmail.com

اس کتاب کی طباعت کے لئے جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سے مالی امداد حاصل کی گئی ہے۔اس کتاب میں ظاہر کی گئی آرا سے کلچرل اکیڈیمی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں اور نہ اس ضمن میں کلچرل اکیڈیمی پر کوئی ذمہ داری عائد ہوگی۔مالی امداد کے لئے میں اکیڈیمی کا بہت مشکور ہوں۔

(مصنف)

انتساب

والدہ مرحومہ کے نام

جنہوں نے ناخواندہ ہونے کے باوجود میرے علمی شوق

کو پروان چڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کیا

حروفِ تحسین

مرزا بشیر احمد شاکر صاحب کو میں ایک عرصہ سے جانتا ہوں۔ انہوں نے ایک غیر ادبی محکمہ میں ملازمت کرتے ہوئے بھی اردو ادب سے محبت کی ہے۔ ان کی ادب نوازی کا شروع سے قائل ہوں۔ اس کا بیّن ثبوت ان کی ترتیب دی ہوئی کتاب...... ''کتابیں ہم نشیں میری'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں انہوں نے کتب خانہ اور کتب بینی سے متعلق قریب تیس ۳۰ مضامین جمع کئے ہیں۔ مختلف ذرائع سے انہیں ڈھونڈ کر مرتب کرنا آسان کام نہیں۔ میں نے ان مضامین کو جستہ جستہ پڑھا ہے۔ یہ مضامین تحقیقی بھی ہیں اور معلوماتی بھی۔ یہ مضامین ان اصحاب کے لئے چشم کشا جو دور حاضر کی ٹیکنالوجی سے مرعوب ہیں اور کتب بینی کو تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ اپنی نظم ''کتابیں'' میں معروف فلمی شاعر گلزارؔ نے کتاب کے متعلق کہا ہے کہ آج کتاب کو کمپیوٹر کے پردے میں چھپایا گیا ہے، بالکل صحیح ہے۔ یہ کتاب ان قارئین کے لئے وجہِ انبساط ہوگی جنہیں اب بھی کتب بینی سے عشق ہے اور ایسے عاشقوں کی اب بھی کمی نہیں۔ مضامین کے آخر میں شاکرؔ صاحب کی ایک نظم بعنوان ''کتابیں ہم نشیں میری'' بھی موجود ہے جو فکر و فن کے لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کتاب کی معیت میں قارئین کا وقت بڑا خوشگوار گزرے گا۔

عبداللہ خاورؔ

لال بازار، سرینگر

سابق لائبریرین اقبال انسٹی ٹیوٹ

آف کلچر اینڈ فلاسفی کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

فہرست

☆ کتابیں	گلزار	05
☆ کتابوں کا میلہ	پروفیسر بشیر احمد نحوی	07
☆ کتاب کتب خانہ اور کتب بینی	عبداللہ خاور	11
☆ ذوقِ علم و شوق مطالعہ	رحمت اللہ ندوی	16
☆ اسلامی عہدِ قدیم میں مخطوطات (قلمی کتابوں) کی اہمیت	مولانا عبداللہ عباس ندوی	26
☆ سنجیدہ کتب بینی	عبدالغفار صدیقی	39
☆ ذوقِ مطالعہ	عبدالرحمٰن مخلص	42
☆ لائبریرین ڈے...... کتب بینی کا شوق بڑھانے کا بہانہ	ڈاکٹر عبدالمجید بابا	45
☆ ہم اور ہمارے اسلاف	محمد شریف قریشی	49
☆ کتب بینی مطالعہ علمی کمالات کی شاہ کلید	غلام نبی کشافی	52
☆ مطالعہ و مشاہدہ کتابیں بہترین دوست	ظہور مسعودی	59
☆ زندگی میں ادب اور ادیب کی ضرورت	معراج حبیب	63
☆ احوالِ وطن پہ ایک اور ناول......	زیڈ جی محمد	68
☆ کتابوں سے دوستی	قیوم زلفی	73
☆ کتاب کلچر کے فروغ میں قومی و ملی ذمہ داری	مبشر حسین شاہ	77

☆ مطالعہ......علم و تحقیق کی کنجی	حافظ خورشید عالم	79
☆ طلاب مطالعہ کا شوق پیدا کریں	انیس فاطمہ	82
☆ مطالعہ کتب اور کشمیری سماج	فیض احمد فیاض	85
☆ نور محمد......علم دوست اور ادب نواز ناشر	محمد اقبال	89
☆ دینی علم کی ترویج میں کتب خانوں کا کردار	غلام احمد چودھری	93
☆ ادب کا مطالعہ ناگزیر کیوں؟	سلیم ساغرؔ	101
☆ ڈل کے دل میں بسا کتب خانہ	ماجد مقبول	103
☆ قلم و قرطاس کی دنیا	امتیاز عبدالقادر	107
☆ کتاب سے دوری کیوں؟	مظفر احمد شاہ	113
☆ زبانوں کا زوال	سمیر احمد	115
☆ قلم، قلمکار اور کتاب	سلیم سالکؔ	121
☆ پڑھائی کیسے کریں	قمر الزماں خان	125
☆ کتابیں ہم نشیں میری	مرزا بشیر احمد شاکر	128

☆......گلزار

کتابیں

کتابیں جھانکتی ہیں بند الماری کے شیشوں سے
بڑی حسرت سے تکتی ہیں
مہینوں اب ملاقاتیں نہیں ہوتیں
جو شامیں ان کی صحبت میں کٹا کرتی تھیں، اب اکثر
گزر جاتی ہیں 'کمپیوٹر' کے پردوں پر
بڑی بے چین رہتی ہیں کتابیں---
انھیں اب نیند میں چلنے کی عادت ہوگئی ہے
بڑی حسرت سے تکتی ہیں
جو قدریں وہ سناتی تھیں---
کہ جن کے سیل (Cell) کبھی مرتے نہیں تھے
وہ قدریں اب نظر آتی نہیں گھر میں
جو رشتے وہ سناتی تھیں
وہ سارے اُدھڑے اُدھڑے ہیں
کوئی صفحہ پلٹتا ہوں تو اک سسکی نکلتی ہے
کئی لفظوں کے معنی گر پڑے ہیں

بِنا پتّوں کے سوکھے ٹنڈ لگتے ہیں وہ الفاظ
جن پر اب کوئی معنی نہیں اُگتے
بہت سی اصطلاحیں ہیں---
جو مٹی کے سکوروں کی طرح بکھری پڑی ہیں
گلاسوں نے انھیں متروک کر ڈالا!
زباں پر ذائقہ آتا تھا جو صفحے پلٹنے کا
اب انگلی کلِک (Click) کرنے سے بس ایک جھپکی گزرتی---
بہت کچھ تہہ بہ تہہ کھُلتا چلا جاتا ہے پردے پر
کتابوں سے جو ذاتی رابطہ تھا، کٹ گیا ہے
کبھی سینے پہ رکھ کے لیٹ جاتے تھے
کبھی گودی میں لیتے تھے
کبھی گھٹنوں کو اپنے رحل کی صورت بنا کر
نیم سجدے میں پڑھا کرتے تھے، چھوتے تھے جبیں سے
خدا نے چاہا تو وہ سارا علم تو ملتا رہے گا بعد میں بھی
مگر وہ جو کتابوں میں ملا کرتے تھے سوکھے پھول
اور مہکے ہوئے رقعے
کتابیں مانگنے، گرنے، اُٹھانے کے بہانے رشتے بنتے تھے
ان کا کیا ہوگا؟
وہ شاید اب نہیں ہوں گے!

...........☆☆☆...........

☆......پروفیسر بشیر احمد نحوی

کتابوں کا میلہ

علم و دانش کے مصادر اور منابع تک رسائی کا براہ راست ذریعہ کتابیں ہیں۔ کاغذ کے اوراق پر سیاہ حروف میں تحریر شدہ الفاظ و عبارات معلومات کی دنیا کا احاطہ کرتے ہیں، نظریات کی جنگ انہی سے لڑی جاتی ہے اور آنے والی نسلوں تک ماضی کا سرمایہ کتابوں کے ذریعے ہی منتقل ہوتا ہے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

چند دن پہلے کشمیر کے تاریخی علمی ادارے ایس پی کالج میں بک ٹرسٹ آف انڈیا کے زیر اہتمام ریاستی اور ملکی سطح پر کتابوں کی خرید و فروخت کرنے والے اداروں نے عمدہ مطبوعات کے دیدہ زیب اسٹال قائم کئے تھے۔ راقم بچپن کے ایام سے ہی کتابوں کا شیدائی رہا ہے اور ہر ماہ کوئی نئی کتاب، کوئی شعری مجموعہ یا کوئی ادب پارہ خرید کر مسرت اور بصیرت کی بیش بہا دولت سے اپنے آپ کو مزّین پاتا ہے۔ بک ٹرسٹ آف انڈیا کے کتاب میلے میں راقم نے اسلامیات، ادبیات اور اقبالیات پر کچھ نئی کتابیں خریدیں۔ کتاب میلہ میں کئی شیدایانِ علم و ادب سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان میں بیشتر پولیس، ڈاکٹری اور صنعت و حرفت کے شعبوں سے وابستہ ہیں۔ ان کا ذوقِ مطالعہ انہیں کتاب میلہ میں کشاں کشاں لایا تھا۔ اریب پبلی کیشنز، کتب خانۂ حمیدیہ، مکتبہ الحسنات اور میزان پبلی کیشنز کی طرف سے اردو زبان و ادب اور دینیات پر اچھی کتابیں میلے میں موجود تھیں۔ شاہین کلینڈر منصورہ لاہور کی

طرف سے شاعرِ مشرق کے فکر انگیز اشعار کا خوبصورت گلدستہ بھی ایک اسٹال کی زینت بنا ہوا تھا۔ حقیقت میں شعر کی روح اور کتاب کا مغز ہی اہمیت کا حامل ہے۔روحِ کتاب کی طرف علامہ اقبال نے بڑی عمدہ بات کہی ہے ع کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں۔یعنی صاحبِ کتاب ہونا، کتاب کی روح اپنے اندر اتارْنا ،حکمتِ کتاب کا جاننا اہم بات ہے۔ ہمارے درمیان کتنے لوگ ایسے ہیں جو روز وشب مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے ہیں، کتابیں لکھتے ہیں، پھران کوفروخت کرتے ہیں۔ان پر تبصرے کرواتے ہیں لیکن کتاب اور علم کی روح سے ان کا وجود خالی ہوتا ہے۔ وہ اسکالر تو ہوتے ہیں لیکن انسان نہیں ہوتے ہیں۔ان کا دل کدورت، نخوت، پندار اور ''من دانم'' کے خیالات کا مجسمہ ہوتا ہے۔ یہ نہ کتاب خوان ہوتے ہیں، نہ صاحبِ کتاب ہوتے بلکہ کرم کتابی ہوا کرتے ہیں۔''پیام مشرق'' میں دانائے مشرق نے کرم کتابی کے عنوان سے ایک مختصر نظم تحریر کی ہے جو دنیا کے ہر کتب بین کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے۔

شنیدم شبے در کتب خانۂ من
بہ پروانہ می گفت کرمِ کتابی
باَوراقِ سیناؔ نشیمن گرفتم
بسے دیدم از نسخۂ فاریابی
نہ فہمیدہ اَم حکمتِ زندگی را
ہماں تیرہ روزم زبے آفتابی
نکوگفت پروانۂ نیم سوزے
کہ ایں نکتہ را درکتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش می دہد بال و پر زندگی را

ترجمہ:- ''میں نے ایک رات اپنے کتب خانے میں سنا کہ دیمک پروانے سے کہہ رہی تھی۔ میں نے بوعلی سینا کی کتابوں کے اوراق میں بسیرا کیا اور ظہیر فاریابی کے نسخے بھی دیکھ ڈالے۔ میں زندگی کی حقیقت سے اب تک انجان ہوں۔ سورج کے نہ ہونے سے میرے دن اسی طرح تاریک ہیں۔ ایک اُدھ جلے پتنگے نے خوب کہا کہ تو اس راز کو کسی کتاب میں نہیں پائے گی۔ تپش (حرارت، تڑپ) زندگی کو زندہ تر کرتی ہے اور تپش زندگی کو بال و پر فراہم کرتی ہے''۔

جسمانی اور ذہنی طور پر کافی مصروف لوگ بھی کتابوں کے شیدائی ہوتے ہیں۔ وہ مطالعۂ کتب کے لئے ضرور کچھ وقت نکالتے ہیں۔ کشمیر میں یورپی ممالک کے سیاحوں کے ساتھ لازماً کوئی نہ کوئی کتاب دیکھی جاسکتی ہے۔ میں نے لداخ کے ایک پہاڑ کی بلندی پر ایک مغربی سیاح کو مطالعے میں مصروف دیکھا ہے اور ڈل جھیل میں شکارے میں سوار ایک انگریز جوڑے کو محو مطالعہ پایا ہے۔

کشمیر میں آئے دن ذوقِ مطالعہ اور شوقِ کتب بینی میں بڑے پیمانے پر کمی محسوس ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ سطح پر سیر حاصل مطالعہ اور امتحانات میں ازخود سوالات کے مطلوب جوابات تحریر کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ چنانچہ پچانوے فیصد طلبہ رٹے رٹائے جوابات لکھ دیتے ہیں۔ ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل فون کے بے لگام استعمال نے نژادِ نو کو کتابوں سے بتدریج کنارہ کشی پر تیار کیا ہے۔ یقیناً مشینی آلات اور عصری سہولیات کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے لیکن قدیم زمانے میں کاتب اور خطاط دورانِ کتابت اپنے خونِ جگر کی آمیزش سے ایک کتاب تحریر کرتا تھا، اس کتاب کے مطالعے میں خونِ خطاط کی جھلک بھی شامل ہوا کرتی تھی۔ اب تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ایک ہفتے میں کمپیوٹر پر کتاب کی کمپوزنگ، اس کی طباعت اور پھر انٹرنیٹ کے ذریعے آناً فاناً اطرافِ عالم میں اس کی منتقلی ممکن ہو چکی ہے لیکن کتابوں کے اوراق اور متون سے تازگی، حلاوت اور

صداقت جیسے ناپید سی ہوگئی ہے۔ آیئے معیاری، تعمیری اور عمدہ کتابوں کے مطالعہ کو اپنا شعار بنائیں کیونکہ فخر الدین رازی کے بقول ''عمدہ کتابیں انسان کو حیاتِ فانی میں عزت اور حیاتِ دوامی میں ابدی سکون بخشتی ہیں''۔

بحوالہ کشمیر عُظمیٰ

۲۰/جون ۲۰۱۲

............☆☆☆............

طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ!

میں اپنا حال عرض کرتا ہوں میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب پر نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا، اگر میں کہوں کہ میں نے طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا۔ مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات واخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوت حافظہ، ذوقِ عبادت اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنے زمانے کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی اور اس وقت کے طلبہ میں علم کی کم ہمتی منکشف ہوگئی''۔

میں نے مدرسۂ نظامیہ کے پورے کتب خانہ کا مطالعہ کیا، جس میں چھ ہزار کتابیں ہیں، اسی طرح (بغداد کے مشہور کتب خانے) کتب الحنفیہ، کتب الحمیدی، کتب عبدالوہاب، کتب ابی محمد وغیرہ جتنے کتب خانے میری دسترس میں تھے سب کا مطالعہ کر ڈالا''۔

مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ زور سے ہنسا ہوں، مجھے یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، سات سال کی ابھی عمر تھی کہ میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درسِ حدیث میں شریک ہوتا، وہ حدیث کی سیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی، گھر آ کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف نکل جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

☆......ابن جوزیؒ

☆......عبداللہ خاورؔ

کتاب، کتب خانہ اور کتب بینی

مختصر الفاظ میں کتاب کی صحیح تعریف یہ کی گئی ہے کہ اس کے مطالعہ سے آپ کا یہ احساس قوی ہو کہ آپ ایک اچھے دوست کی معیّت میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب ہماری ذہنی طاقت کا سرچشمہ اور تہذیبی و ثقافتی وِرثے کی بنیاد ہے۔ یہ نفسِ انسانی کو فضیلت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ زندگی کو سنوارتی ہے، فکر کی تربیت کرتی ہے اور ذہن کو جِلا بخشتی ہے۔ یہ انسان کے مذاق اور مزاج پر حاوی ہو جاتی ہے۔ بھلا ایسے محسن رفیق کو خود سے کون جُدا کر سکتا ہے؟ کتاب ایسی ہم نشین ہے جو ماضی کے مفکروں، ان کے افکار، ان کی دانش و حکمت اور اقوام کے کارناموں کی ترجمانی ہے۔ دیکھا جائے تو کتابیں فکری قوتوں کو پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ یہ دماغی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا منبع اور مخزن ہیں۔ ان کی قوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ کتاب انسانی ذہنوں اور خیالوں کا عکس ہے۔ ان کے متعلق بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے۔ مثلاً ان کی رفاقت میں نقصان کا سایہ بھی نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کتاب کو جدید انسان کی شریکِ حیات سمجھتے ہیں۔ یہ بہترین دوست ہے جس کی رفاقت میں پوری عمر گزاری جا سکتی ہے۔ یہ اس وقت تک نہیں بولتی جب تک مخاطب نہ کی جائے۔ جو کوئی اس کی تلاش کرے اس پر مہربان ہوتی ہے۔ یہ مشورے بھی دیتی ہے اور سرزنش بھی کرتی ہے۔

تاریخِ عالم ایسے متعدد واقعات سے بھری پڑی ہے جن کا مطالعہ کر کے ہم پر کتاب کی عظمت اور اس کی فضیلت ہُویدا ہوتی ہے۔ بہ وجوہ میں نے صرف عباسی دور کے چند ایسے واقعات پر اکتفا کیا ہے جو کتاب، کتب خانہ اور کتب بینی کی اہمیت، محبت اور

فضیلت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خلیفہ مامون الرشید نے کتاب کی عظمت، افادیت اور فضیلت کو جس انداز سے پیش کیا ہے اس سے ان کی کتاب سے انفرادی شغف و شیفتگی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اقتباس طویل ہے، میں اس کا مختصر خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

"مامون کے خیال میں انسانی نفس کو کتاب سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز فضیلت دینے والی نہیں اور نہ اس سے زیادہ کوئی چیز انسانوں کے سینے کو کھولنے والی ہے۔ نہ اس سے بڑھ کر کوئی شئے باعث فخر ہے، نہ اس سے زیادہ دل و دماغ کو روشن کرنے والی کوئی اور شئے ہے۔ نہ اس سے مضبوط ترین کوئی ڈھال ہے نہ اس سے زیادہ موافقت کرنے والی کوئی چیز ہے۔ کتاب ایسی بیان سرا اور داستان گو ہے جو کبھی ملول نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی ساتھی ہے جو کبھی نادار و مفلس نہیں کرتی۔ یہ ان چیزوں کو زندہ کرتی اور حیات بخشتی ہے جنہیں نصیبہ مٹا دیتا ہے اور زمانہ پوشیدہ کرتا ہے.........."

اسی دور کے مشہور عربی شاعر و مفکر جاحِظ کا کہنا ہے:

"کتاب بہت اچھی ہم نشین، رفیق، بہترین افسوں و سیر گاہ ہے۔ تنہائی میں بہت اچھی مونس و غم خوار اور پردیس میں معرفت کا اچھا وسیلہ ہے۔ یہ علم سے بھرا ہوا خزانہ اور دانش سے بھرا ہوا ظرف ہے۔ کتاب ایسی معلم ہے کہ اگر تمہیں اس کی احتیاج ہو تو وہ تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کرے گی۔ تم اس سے کنارہ کشی اختیار کرو تب بھی وہ تمہاری اطاعت سے منہ نہیں موڑے گی"۔

ایک اور مفکر علی ابن الجہم کا قول ہے۔ کتابوں پر دریا دلی سے خرچ کرنا شرفِ انسانی اور نفس انسانی کی خرابی آفات سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے۔"

قارئینِ کرام! موجودہ دور میں ملکی طاقت کا سرچشمہ بن طاقتوں کو تسلیم کیا گیا ہے

ان میں فکر و دانش (یعنی Intelectual Power) بھی ایک طاقت ہے اور اسی فکر و دانش کے سرچشمے کتاب اور کتب خانے ہیں۔ کتب خانوں کو ہمیشہ ثقافتی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہر قوم کے نظامِ فکر و عمل کی بدولت، ان کے علوم وفنون میں تنوّع اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔اس قوت کے سہارے اس قوم کے علوم وفنون اور کتب خانے فروغ پاتے ہیں۔ کتب خانے ہماری تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی زندگی کا لازمی جُز ہیں۔اسی عباسی دور کی بات ہے، عباسی بادشاہ خلیفۂ ہارون الرشید نے بغداد میں ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد ڈالی جو بیت الحکمہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتب خانہ دو حصوں پر مشتمل تھا، ایک حصہ کتابوں کے لئے خاص تھا اور دوسرے حصہ میں عربی زبان کے علاوہ ہندی، فارسی، یونانی، قبطی زبانوں کی بے شمار کتابیں مہیا کی گئی تھیں۔ مامون الرشید کا عہد اس لحاظ سے بھی سنہری دور تھا کہ اس زمانے میں علم وادب میں خاص کر کتب خانوں کے قیام میں جو ترقی ہوئی اس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ مولانا شبلی کا بیان ہے:

> ''مامون کے عہد میں کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پورے بغداد میں پھیل گیا۔ اکثر وزراء وامراء بلکہ عام علماء بھی بڑے بڑے کتب خانے رکھتے تھے اور کتابوں کے مہیا کرنے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے۔ یہ شوق اتنا ترقی کرتا گیا کہ چوتھی صدی میں تمام ممالکِ اسلام میں جابجا کثرت سے کتب خانے تیار ہو گئے......''

بادشاہ عوامی کتب خانوں کے قیام کو خیر و برکت اور عزت وشرف کا کام سمجھتے تھے۔اس دور میں کتب خانوں کی تعمیر کا شوق اتنا بڑھا کہ رشتۂ اِزدواج کے انتخاب کے لئے مال ومنال اور کسب و جمال کی طرح کتب خانہ کے وجۂ انتخاب کا رجحان بھی اہلِ علم میں ہونے لگا اور جہیز میں کتب خانے دینے کی روایت شروع ہوئی۔ خود ہمارے دور میں نامور علم دوست شخصیت ہمدرد دواخانہ کے سربراہ مرحوم حکیم

محمد سعید دہلوی نے اپنی بیٹی کے جہیز میں ذاتی کتب خانہ دے کر اُسلاف کی یادتازہ کردی۔"

کتب بینی ایک جنوں ہے، ایک نشہ ہے کہ جب چڑھ جاتا ہے تو مشکل سے اترتا ہے۔مولوی چراغ علی کے نام سے آپ واقف ہوں گے۔سرسید احمد خان کے خاص رفقاء میں سے تھے۔انہیں کتب بینی سے والہانہ عشق تھا،حتیٰ کہ بیت الخلاء جاتے تو یہ معشوقہ ان کے ساتھ ہوتی۔پروفیسر آل احمد سرورؔ جنہیں اردو ادب کے قد آور نقادوں میں شمار کیا جاتا ہے، کی کتب بینی کے شوق کا میں عینی گواہ ہوں۔وہ جب انسٹی ٹیوٹ کی لائبریری میں داخل ہوتے تو مطلوبہ الماری کھلوا کر کھر درے ٹاٹ پر دوزانوں بیٹھتے اور گھنٹوں مطالعہ میں ایسے محو ہوجاتے کہ انہیں دُنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔حالانکہ ان کا کمرہ لائبریری سے بالکل ملحق تھا۔

معروف اقبال شناس پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی نجی لائبریری کی ترتیب دینے میں اس ناچیز نے کماحقہ کام کیا ہے۔کتاب اور کتب بینی سے ان کا عشق دیدنی تھا۔ایک آنکھوں دیکھا واقعہ عرض کرتا ہوں۔کتابیں ترتیب دیتے وقت ایک کارکن کے ہاتھوں سے چند کتابیں گر گئیں، آزاد صاحب جو قریب ہی بیٹھے مطالعہ میں محو تھے، جلدی سے اٹھے اور فرش پر گری کتابوں کو سینے سے لگایا۔کارکن کی طرف ایک خشم آلود نگاہ کی بس۔میں نے ان کی لائبریری میں قریب چار مہینے گزارے۔اس دوران میں نے آزادؔ صاحب کو کبھی کتاب کے بغیر نہیں دیکھا۔وہ یا تو لکھتے تھے یا پڑھتے تھے۔

جن دنوں میں علامہ اقبال لائبریری کے اُردو سیکشن اور بیک فائلز کا نگراں تھا۔پڑھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔مطالعہ کرنے والوں میں وادی کے معروف محقق پروفیسر اکبر حیدری مرحوم کی شخصیت نمایاں تھی۔ادھر لائبریری کھلتی اُدھر مرحوم لائبریری میں داخل ہوتے اکثر پرانے رسائل نکلواتے۔ان کا مطالعہ کرتے اور نوٹس لیتے۔مطالعہ کا سلسلہ چار بجے شام تک جاری رہتا۔اس دوران محض چائے کی ایک دو پیالیوں سے کام چلاتے۔کبھی کبھی رسائل اور کتب اپنی جگہ پر نہ پاتے تو چیں بہ جبیں ہوتے لیکن میں جلد ہی مطلوبہ

کتاب ورسالہ نکال کران کی پیشانی کی لکیروں کو سپاٹ کر دیتا۔ یہ بات میں دعویٰ کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ قدیم کتابوں اور رسالوں کے حوالے سے مرحوم پروفیسر اکبر حیدری نے علامہ اقبال لائبریری سے جتنا استفادہ کیا اتنا کسی دوسرے نے نہیں کیا۔ جن دنوں میں اقبال انسٹی ٹیوٹ میں تھا وہاں بھی کتب ورسائل کے عشاق آتے رہتے تھے۔ نامور کشمیری اور اُردو شاعر مرحوم و مغفور غلام رسول ناز کئی بار یہاں آئے اور پورا وقت انسٹی ٹیوٹ کی لائبریری میں مطالعہ میں گزارا۔ یہاں مجھے یاد آرہا ہے کہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں ایک استاد تھے۔ ریحان الحق نام تھا۔ مرحوم ہمارے اُستاد بھی تھے اور دوست بھی۔ ان کی کتب بینی کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ صبح آٹھ بجے لائبریری میں داخل ہوتے۔ شعبہ میں تدریسی امور سے فارغ ہوکر واپس لائبریری آجاتے اور رات دس بجے تک (کہ اسی وقت لائبریری بند کی جاتی تھی) مطالعہ میں محو رہتے۔ حضرات ایسے عاشق اب دیکھنے کو کہاں ملتے ہیں؟ ہماری مصروفیات میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ دوسرے امور کے لئے تو ہم وقت نکالتے ہیں لیکن پڑھنے کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں۔

سبکدوشی کے بعد یعنی ۲۰۰۵ء سے میں برابر علامہ اقبال لائبریری جاتا رہتا ہوں۔ اس دوران کتب خانہ کے نظام میں کئی خوشگوار تبدیلیاں آئی ہیں۔ مثلاً کتابوں کی ترتیب میں بہتری لائی گئی ہے۔ کتب ورسائل کو سجا سنوار کر شیلفوں میں رکھا گیا ہے۔ کتابوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے متعدد سہولیات فراہم کی گئی ہیں۔ لیکن میں نے کتابوں سے فائدہ اٹھانے والے نہیں دیکھے۔ وہ پڑھنے والے کہاں گئے۔ مطالعہ کی دیوانگی کہاں گئی۔ یہ ایک افسوس ناک صورتِ حال ہے۔ ایک سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ کیا جدید تکنالوجی نے جدید پود کو کتب بینی سے بے زار کیا ہے؟

اس تکنالوجی سے وہ معلومات تو حاصل کرتے ہیں اور استفادہ بھی کرتے ہیں لیکن کاش وہ اس حظ اور لطف سے آشنا ہوتے جو انہیں مہدی حسن اِفادی کے نازنینانِ حرم کی معیّت میں حاصل ہوتا......!

............☆☆☆............

☆......رحمت اللہ ندوی

ذوقِ علم اور شوق مطالعہ

اسلاف کے چند واقعات

☆ امام مسلمؒ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ رات میں کھانے سے فارغ ہو کر باہر ٹہل رہے تھے کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا، اتفاق سے امام صاحب کو معلوم نہ تھا، گھر آکر کتابوں کی ورق گردانی اور مسئلہ کی تحقیق میں مصروف ہو گئے، اسی اثناء میں باندی نے کھجور کا ایک ٹوکرا لاکر رکھ دیا، آپ کھاتے جاتے اور مسئلہ تلاش کرتے جاتے، انہماک کی وجہ سے پتہ نہ چل سکا کہ کتنی کھجور کھا گئے، صبح ہوتے ہوتے بحث وتحقیق میں استغراق، علم کی تلاش وجستجو میں یکسوئی اور مطالعہ کے ذوق میں مشغول رہ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بڑے نامور اور مشہور محدث ہیں، ان کے پاس علمِ حدیث کے شیدائیوں اور شمعِ علمِ نبوت کے پروانوں کا اتنا ہوتا کہ ایک دفعہ ان کی تعداد گنی گئی تو چالیس ہزار نکلی، اس دور میں لاؤڈ اسپیکر تو تھا نہیں، جب وہ حدیث سناتے تو نماز میں مکبر کی طرح بعض لوگ ان کے الفاظ کو اونچی جگہ سے بلند آواز کے ساتھ دہرا دیتے تاکہ پورے مجمع تک آواز پہنچ جائے، صرف مکبر حضرات کی تعداد بارہ سو ہوا کرتی تھی، آخر اتنے بڑے مجمع کے اندر بیٹھ کر علم حدیث پڑھانے اور بیان کرنے کا مرتبہ انہیں کیوں کر ملا؟ کیا بغیر مطالعہ اور محنت کے؟

☆ حضرت امام محمدؒ کے شوق علم کا حال اور ذوق مطالعہ کی داستان ان کے

عزیز شاگرد حضرت امام شافعیؒ سے سنئے، فرماتے ہیں:

مجھے امام محمدؒ کے پاس ایک رات گزارنے کا موقع ملا، انہوں نے عشاء کے بعد چراغ کے سامنے کتاب کھولی اور اس میں سے کچھ پڑھا، پھر چراغ بجھا دیا اور لیٹ گئے، تھوڑی دیر بعد اٹھے، چراغ جلایا، پھر کتاب دیکھی اور پھر لیٹ گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھے، چراغ جلایا، کتاب دیکھی، پھر لیٹ گئے، فرماتے ہیں: میں ساری رات جاگا اور گنا، انھوں نے سترہ مرتبہ اٹھ کر چراغ جلایا، سترہ مرتبہ کا کیا مطلب؟ اگر آٹھ گھنٹے کی رات ہو تو ہر آدھ گھنٹہ بعد چراغ جلایا، اب سوچئے کہ وہ سوئے کہاں؟ دراصل وہ چراغ بجھاتے اس لیے تھے کہ فالتو تیل نہ جلے اور اسراف نہ ہو جائے، پھر وہ جب لیٹتے تھے تو نیند نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ غور وخوض اور تفکر وتدبر کیا کرتے تھے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب صبح اٹھے تو میں نے عرض کیا، حضرت! آپ رات کو سترہ مرتبہ اٹھے تھے، آپ کتنا سوئے ہوں گے؟ امام محمدؒ نے جواب دیا، میں رات سویا نہیں، بلکہ میں نے ایک ہزار مسائل کے جواب تلاش کر لیے، اللہ اکبر!

☆ حصول علم کی برق رفتاری جو ہمارے سلفِ صالحین کی زندگیوں میں تھی آج عوام الناس ان واقعات کو سن کر حیران رہ جاتے ہیں اور علماء بھی ان کو مبالغہ سمجھتے ہیں جبکہ وہ حقیقت ہیں، آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ امام شافعیؒ تیرہ سال کی عمر میں امام شافعی بن چکے تھے، اور مسند درس وافتاء کی زینت بن چکے تھے، یہ ان کی محنت اور ان کا شوقِ علم تھا کہ اتنی کم عمری میں انہوں نے علم کے بڑے بڑے ہفت اقلیم سمندر عبور کر لیے تھے۔

☆ حضرت امام ابو یوسفؒ سے کون ناواقف ہے، فقہ حنفی کے اہم ستون اور حضرت امام اعظم کے جلیل القدر شاگرد اور خلیفہ ہارون رشید کے عہد کے چیف جسٹس ہیں، "کتاب الخراج" جیسی اہم شاہکار تصنیف کے مؤلف ہیں، جب ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، ہوش آیا تو اس وقت انہوں نے ایک شاگرد قاضی ابراہیم بن جراح جوان کی عیادت کے لئے گئے تھے، ان سے مسئلہ پوچھا کہ "رمی جمار" راسباً (سوار ہو کر)

افضل ہے یا ماشیاً (پیدل) افضل ہے، اس نے کہا کہ راکباً، فرمایا: لا (نہیں) اس نے کہا، ماشیاً، فرمایا: نہیں، پھر بتایا کہ جس رمی کے بعد کوئی رمی نہ ہو اس کو سوار ہو کر کرنا افضل ہے اور جس رمی کے بعد کوئی اور رمی ہو اس کو ماشیاً کرنا افضل ہے۔

☆ حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلبِ حدیث میں کئے ان میں کبھی انہوں نے سواری کا سہارا نہیں لیا، سواری اور بار برداری دونوں کا کام وہ اپنے نفس ہی سے لیتے تھے، سفر پیادہ پا کرتے اور کتابوں کا پشتارہ پشت پر ہوتا، مشقت پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی تھی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا تھا ۔

ضعف ہو لاکھ مگر دشت نوردی نہ چھٹے
حشر تک چاہیے مجنوں کی طرح نام چلے

☆ فتح بن خاقان کو خلیفہ متوکل کا وزیرِ خاص ہونے کے باوجود کتابوں سے اتنا عشق تھا کہ مطالعہ کے لیے کوئی نہ کوئی کتاب ہمیشہ ان کے پاس رہتی، موقع ملتے ہی فوراً مطالعہ میں مصروف ہو جاتے حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی مطالعہ کرتے تا کہ آمد و رفت کا یہ وقت ضائع نہ ہو۔

☆ علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنے بارے میں خود لکھا ہے کہ میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا، زمانہ طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، ہر روز چار جز لکھنا ان کی زندگی بھر کا معمول تھا، وہ خود فرماتے ہیں ''میں نے خود اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھیں ہیں۔''

☆ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب دار العلوم دیوبند کے مقبول ترین اساتذہ میں سے تھے، کثرتِ مطالعہ، کتب بینی، درس و تدریس کی شبانہ روز مشغولیت میں منفرد تھے، ان کی کثرتِ کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک ہفتہ مسلسل وہ قطعاً نہ سوتے تھے اور شب و روز کتاب کے سوا کوئی اور چیز ان کے ہاتھوں میں آنکھ کے سامنے نظر نہ آتی تھی۔

☆ حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کا مطالعہ اور علمی انہماک بڑا مشہور تھا، طالب علمی میں قلب کے دورے کی شکایت ہوگئی، اکثر بے ہوش ہوجاتے، جوں ہی ہوش آتا مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، وہ علم کے لیے پیدا کیے گئے تھے اور علم ان کی پوری زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہا، فرماتے تھے: ''ہر وقت دماغ کسی علمی مسئلہ میں مشغول رہتا ہے، گھر سے دارالحدیث تک آتا ہوں تو کئی احادیث کی تشریح اس دوران کرلیتا ہوں۔''

☆ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمہ نے رات کا کھانا نیند کے غلبہ اور مطالعہ میں حرج کے خوف سے ترک کردیا تھا، مطالعہ کا ایسا چسکہ پڑ گیا تھا کہ عشاء کے بعد بیٹھتے تو رات تین چار بجے تک ترمذی اور بخاری کا مطالعہ دیکھا کرتے۔

☆ نامور اور مشہور ادیب جاحظ جبکہ زندگی کے آخری ایام میں جسم کا آدھا دھڑ مفلوج ہوگیا تھا اس حال میں بھی مطالعہ کا محبوب مشغلہ جاری رہا، کتابوں کے جمگھٹے میں پڑے مطالعہ کرتے رہتے کہ ایک دن آس پاس رکھی کتابیں ان پر آگریں، مفلوج و بیمار جسم اٹھنے کی تاب نہ لا سکا، بالآخر اپنی محبوب کتابوں میں دب کر جان دے دی اور اس طرح

مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

کے مصداق ہوگئے۔

☆ محمد بن سحنون بلند پایہ کے محدث اور فقہ مالکی کے جلیل القدر عالم ہیں۔ ان کے علمی انہماک کا واقعہ بڑا عجیب ہے، عشاء کے وقت ان کی باندی کھانا لے کر حاضر ہوئی، یہ تالیف میں مشغول تھے، باندی کافی دیر انتظار سے جب اکتا گئی تو ازخود لقمے بنا کر انہیں کھلانے لگی، پوری رات مشغولیت رہی جب صبح کی اذان ہوئی تب کھانے کا خیال آیا، باندی سے کھانا طلب کیا، وہ کہنے لگی، حضور! کھانا تو میں نے آپ کو کھلا دیا تھا، کہنے لگے، مجھے تو اس کا احساس تک نہیں ہوا۔

☆ ایک بڑے محدث عبید بن معیش گزرے ہیں جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے اساتذہ میں ہیں، ان سے حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ تیس سال تک رات میں اپنے ہاتھ

سے کھانا نہیں کھایا بلکہ خود حدیث لکھنے میں مصروف رہتے اور بہن منہ میں لقمہ دیتی جاتیں۔

☆ احمد بن یحییٰ شیبانیؒ عربی لغت، ادب گرائمر اور قرأت وغیرہ کے بڑے نامی گرامی عالم تھے اور ثعلب کے نام سے مشہور تھے، ان کا حال یہ تھا کہ اگر دعوت دی جاتی تو داعی سے فرماتے کہ کھانے کے وقت ان کے لیے چمڑے کے تکیہ کی مقدار جگہ خالی رکھی جائے، جس میں وہ کتاب رکھ کر مطالعہ کریں۔

امام ثعلب کا معمول تھا کہ راستہ چلتے ہاتھ میں کتاب رہتی اور مطالعہ کرتے جاتے چنانچہ اسی طرح چل رہے تھے کہ گھوڑے نے ٹکر دی، گڈھے میں گر پڑے اور ایسی چوٹ آئی کہ دوسرے ہی دن وفات ہوگئی۔

☆ حافظ منذریؒ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے ہیں، ان کے شاگرد ابراہیم بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں قاہرہ میں شیخ کے پڑوس میں بارہ سال تک رہا، ہمارا گھر ان کے گھر کی اوپر والی منزل میں تھا، میں نے رات کو جس کسی حصہ میں بھی اٹھ کر دیکھا تو چراغ کی روشنی میں ان کو مطالعہ میں مشغول پایا۔

☆ امام نوویؒ صحیح مسلم کے عظیم شارح اور ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث ہیں، تعلیم کے زمانہ میں محنت اور جدو جہد کا یہ عالم تھا کہ دو سال تک پہلو کے بل زمین پر نہیں سوئے، بیٹھے بیٹھے ہی کچھ آرام کر لیتے اور پھر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے تھے، آتے جاتے بھی وقت بچاتے اور راہ چلتے مطالعہ کرتے تھے، دن رات میں صرف ایک بار کھانا کھاتے تھے، پھل فروٹ نہیں کھاتے تھے اس اندیشہ سے کہ اس سے جسم میں رطوبت پیدا ہو جائے گی اور پھر نیند کا غلبہ علم اور مطالعہ میں مخل ہوگا، علمی مصروفیات کی وجہ سے شادی بھی نہ کی اور پوری عمر لکھنے پڑھنے میں گزار دی۔

☆ حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظمِ اعلیٰ مظاہر علوم نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

☆ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر چالیس سال اس حال

میں گزرے ہیں کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پر رہتی تھی۔

☆ شیخ ابن سینا کے حالات میں لکھا ہے کہ جب کوئی کتاب ہاتھ میں آتی تھی تو بغیر اس کو پورا کیے نہیں رکھتے تھے اور یہی نہیں کہ پڑھ کر رکھ دی بلکہ اس کو پورے طور سمجھ کر اور اس کا تمام مطلب و ماحصل گنجینۂ دماغ میں بھر کر چھوڑتے تھے، راتیں جاگ کر کتب بینی میں بسر کرتے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو پانی پیتے اور تازہ دم ہو کر پھر کتاب دیکھنے لگتے۔

☆ امام جاحظ نے لیثی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کتب بینی کے بڑے شوقین تھے، جو کتاب ہاتھ میں آتی اسے ختم کرنے سے قبل ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے، کاتبوں اور کاغذ فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لیتے اور ان میں بیٹھ کر مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

☆ امام محمدؒ کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ پوری پوری رات علمی کتابوں کے پیچھے گزارتے تھے، بہت تھوڑی دیر آرام کر کے فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے، آپ کی والدہ نے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر ظلم و زیادتی کیوں کرتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ امی جان! لوگوں نے اپنے علم کے لیے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور وہ سو گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہوگی تو مجھ سے پوچھ لیں گے اس لیے میں رات کو سو نہیں سکتا۔ امامِ موصوف پوری رات کبھی اس کتاب کو کبھی اس کتاب کو دیکھنے میں گزار دیتے۔

☆ حضرت گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر محنتی تھے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹے بہ مشکل سونے، کھانے اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے ہے اور خیال مضمون کی تہہ میں ڈوبا ہوا ہے، مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو خبر نہ ہوتی، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے اور صبح کو معلوم ہوا کہ رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔

☆ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کو جب مطالعہ کرتے کرتے آدھی رات سے زیادہ گزر جاتی تو والد صاحب از راہ شفقت فرماتے: بابا! کیا کر رہے ہو؟ فرماتے ہیں: میں جلدی سے لیٹ کر کہتا کہ سویا ہوا ہوں، کیا ارشاد ہے؟ اس کے تھوڑی دیر بعد اٹھ جاتا اور پھر مطالعہ میں لگ جاتا، شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ چراغ بعض مرتبہ میری دستار اور بال میں لگ جاتا اور مجھے پتہ بھی نہ چلتا۔

☆ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا علم وہ مطالعہ مشغلہ نہیں غذا بن گیا تھا، یہ آتش لگی تو پھر بجھائے نہ بجھی، شیخ سراج الدین فرماتے ہیں:

"وکان العلم قداختلط بلجمعه ودمه وسائره فانه لم یکن مستعارا بل کان له دثارا"

(علم ابن تیمیہ کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا تھا اور گوشت و پوست بن گیا تھا، علم ان کے لئے کوئی عارضی اور مانگنے کی چیز نہیں تھی بلکہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا)

ایک مرتبہ بیمار ہوئے، طبیب نے مطالعہ سے منع کر دیا، فرمانے لگے: "میرا جی علم مطالعہ ہی سے مسرت وراحت محسوس کرتا ہے" طبیب نے کہا تو پھر یہ مرض ہمارے دائرۂ علاج سے باہر ہے۔

☆ ابن الاعرابی نے محض اپنی یاداشت سے اتنا کثیر علم لکھا کہ کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر ہے، ان کے ذوقِ کتب بینی کا یہ حال تھا کہ کتابوں کا انبار سامنے لگا ہے، کبھی اس کتاب کو دیکھتے کبھی وہ کتاب اٹھالیتے، ان کے یہ اشعار حرز جان بنانے اور آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔

لنا جلساء ماںملّ حدیثهم
ألبّاء مامونون غیا و مشهدا
یفیدوننا من علمهم علم مامضی
عقلا و تأدیبا و أیا مسدّدا

(ہمارے ہم نشین ایسے ہیں کہ ان کی گفتگو ہمیں اکتاتی نہیں ، یہ لوگ دانشمند اور ہر حال میں بے ضرر ہیں، یہ ہم نشین ہمارے دامن کو علم وادب اور عقل کی دولتوں سے بھرتے رہتے ہیں)۔

☆ امام زہریؒ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا تھا کہ ادھر ادھر کتابیں ہوتی تھیں اور وہ مطالعہ میں ایسے مصروف ہوتے تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو کب گوارہ ہوسکتا تھا کہ اس کے سوا کسی اور کی دل میں اس قدر گنجائش ہو، ایک روز بگڑ کر کہا "والله لهذه الكتب أشد عليّ من ثلاث ضرائر" (اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سے زیادہ بھاری ہیں)۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ناظمِ کتب خانہ کو باصرار اس پر آمادہ کرلیا تھا کہ دوپہر کو کھانے اور آرام کے وقفہ میں جب وہ گھر جانے لگیں تو مجھے کتب خانہ کے اندر چھوڑ کر باہر سے تالا لگا جائیں، فرماتے ہیں: چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور میں ساری دوپہر علم کے اس رنگارنگ باغ کی سیر کرتا رہتا تھا، فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو میری نظر سے نہ گزری ہو، اگر کسی کتاب کو میں نے پورا نہیں پڑھا تو کم از کم اس کی ورق گردانی ضرور کرلی تھی۔

☆ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ دونوں ہم درس ساتھی تھے، انہوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی نصف حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا، آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر چائے پی کر سوجائے گا، اب دوسرے کے ذمہ فجر کی نماز باجماعت کے لیے اپنے سونے والے ساتھی کو اٹھانا ہوگا، ایک دن شروع رات میں مولانا یوسف صاحب مطالعہ کرتے اور مولانا انعام الحسن صاحب سوتے اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔

☆ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن قدس سرہ کے علمی شغف کا تذکرہ

کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع دیوبندی تحریر فرماتے ہیں:

"بعض دوستوں نے مجھے بتلایا کہ وفات سے پہلے بھی ایک فتویٰ ہاتھ میں تھا، جس کو موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینہ پر ڈال دیا تھا۔"

☆ مطالعہ میں انہماک کا ایک انگریز کا سبق آموز واقعہ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ: "ہم دونوں (شبلی و آرنلڈ) جہاز میں سفر کر رہے تھے، یکم مئی کی صبح کو میں سونے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھر رہے تھے اور اس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے، انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا، اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا، میں سخت گھبرایا، نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے، اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا، دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے اور ایسے قابل قدر وقت کو رائیگاں کرنا بے عقلی ہے، ان کے استقلال اور جرأت سے مجھے اطمینان ہوا، آٹھ گھنٹے بعد انجن درست ہوا اور جہاز بدستور چلنے لگا۔"

☆ حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا گیا: آپ کے علم کا شوق کیسا ہے؟

آپ نے فرمایا: جب میں کوئی ایسی علمی بات جو پہلے نہیں سنی تھی، سنتا ہوں تو میرے تمام اعضاء کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بھی کان ہوں جن سے وہ اس علمی بات کو سن کر لطف اندوز ہوں، جس طرح کان لطف اندوز ہوتے ہیں۔

پھر پوچھا گیا: آپ کو تحصیل علم کا شوق کیسا ہے؟

آپ نے فرمایا: جس طرح میرے ایک دنیا دار کنجوس کو مال جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔

مزید پوچھا گیا: آپ علم کس طرح حاصل کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: جس طرح کوئی ماں اپنے کھوئے ہوئے اکلوتے بیٹے کو تلاش

کرتی ہے۔

☆ حمیدیؒ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اور امام شافعیؒ مصر گئے، ہم دونوں ایک ہی مکان میں ٹھہرے، میں بیچ کی منزل میں اور شافعی بالائی منزل میں، کبھی میں رات میں اٹھتا تو بالائی منزل پر چراغ جلتا ہوا دیکھتا، میں خادم کو پکار کر پوچھتا یہ چراغ کیوں جل رہا ہے؟ وہ کہتا کہ آپ ہی اوپر جا کر دیکھئے کیا ماجرا ہے؟ میں اوپر چڑھتا، دیکھتا تو امام شافعیؒ کاغذ لیے بیٹھے ہیں، میں کہتا ابو عبداللہ! اب لکھنا پڑھنا بند کرو، رات بہت ہوگئی ہے، وہ کہتے میں نے فلاں حدیث میں غور کیا، کچھ مسائل ذہن میں آئے میں نے سوچا کہیں یہ ذہن سے نکل نہ جائیں اس لیے چراغ جلا کر انہیں قلم بند کرنے لگا ہوں۔

یہ چند مؤثر واقعات جذبہ وولولہ پیدا کرنے اور عبرت حاصل کرنے کی غرض سے تحریر کردیئے ہیں، ترتیب ملحوظ نہیں ہے، فاعتبروا یا أولی الأبصار

(بحوالہ مطالعہ کیوں اور کیسے)

..........☆☆☆..........

☆......حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

اسلامی عہد قدیم میں مخطوطات (قلمی کتابوں) کی اہمیت

قلمی کتابوں کا جانچنا ایک مستقل فن ہے کیوں کہ مطبوعات کا درجہ بہت قدیم ہے۔ کاغذ کی ایجاد سے پہلے لکھنے کا فن وجود میں آچکا تھا اور جس کا ظاہری اور سب سے نمایاں ثبوت یہ ہے کہ قرآن کریم کاغذ پر لکھے جانے سے پہلے چوڑی ہڈیوں پر، بعض درختوں کے پتوں پر، اونٹ کے کھروں پر لکھا جاتا تھا، پھراس کے بعد بانس کے چھلکوں پر لکھا جانے لگا اوراسی کو"رق" بھی کہا گیا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

والطور و كتاب مسطور فی رق منشور (الطور : ١. ٣) اورقسم ہے طور (پہاڑ) کی اوراس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے۔

نزولِ قرآن سے بہت قریبی متصل زمانہ میں چین میں کاغذ کی ایجاد ہوئی اور مصر نے اس کی نقل کی اور چین سے اس صنعت میں سبقت لے گیا، جس کے لئے "قرطاس" کالفظ قرآن کریم میں موجود ہے:

ولو أ نزلنا عليک کتاباً فیی قرطاس فلمسو ہ باء يد يهم لقال الزین کفروا إن هذا إلا سحر مبين (الانعام . ٧) اوراگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے، پھراس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے، تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔

قل من أ نزل الکتاب الذیی جاء به موسیٰ نوراً و هدی للناس تجلو نه قراطیس تبدو نها وتخفون کثیراً۔

آپ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے (جس کی یہ کیفیت ہے) کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جس کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو۔

زمخشری نے ''کشاف'' میں دونوں آیتوں کی تفسیر کرتے وقت ''قرطاس'' کا ترجمہ ''ورق'' کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرطاس ورق کے معنی میں نزول قرآن کے وقت میں معروف تھا اور قرآن کا نزول ۲۳ سال میں تدریجاً ہوا ہے، اس لئے ابتدائی زمانہ میں ہڈی، پتے اور چمڑے سے ورق کا کام لیا جاتا تھا اور بعد میں کاغذ کی ایجاد ہوگئی اور قرآن کریم کو کاغذ پر لکھا جانے لگا، حدیث نبوی ﷺ میں صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ''جو لوگ زمانہ رسالت میں لکھنا جانتے تھے انہوں نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پورا قرآن لکھ لیا تھا اور حدیث بہت کم لکھی تھی، کیوں کہ رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حدیث لکھنے سے روک دیا تھا۔

لاتکتبوا عنی شیئا سوی القرآن فمن کتب عنی شیئا سوی القرآن فلیمحه۔ سوائے قرآن کے میری باتوں کو نہ لکھو اور جس نے میری حدیث لکھی ہو اس کو مٹا دے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیث میں خلط ملط نہ ہونے پائے۔ اس لئے حدیث کو تحریر میں لانے کی اس وقت تک ممانعت تھی جب تک کہ پورا قرآن نازل نہیں ہو چکا تھا۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخر زمانہ میں کتابتِ احادیث کی اجازت دی گئی تھی اور خلفائے راشدینؓ میں سے ہر ایک کے زمانہ میں قرآن کریم کو علیحدہ لکھا گیا۔ حدیث شریف کے مصری عالم جلیل استاد شیخ احمد شاکر (م ۱۳۷۰ھ) نے اپنی کتاب ''تصحیح الکتب وضع الفهارس المعجمة وکیفیة ضبط الکتاب'' میں لکھا ہے کہ:

آپ ﷺ کا اسم گرامی جب لکھا جائے یا زبان سے ادا کیا جائے تو صرف اشارہ کا لفظ ''صلعم'' یا صرف ''ص'' پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ پورا صیغۂ درود ''ﷺ'' نقل کیا جائے''۔

اگرچہ بعض متقدمین نے اس طرح کے اختصار کو روا رکھا ہے لیکن ایمانی ذوق اس کی اجازت نہیں دیتا، اس سلسلہ میں انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے، حمزہ کنعانی کہتے ہیں کہ:

كنت اكتب الحديث و كنت اكتب عندذكر النبى صلى الله عليه قوس (ولا اكتب ''وسلم'') فرائيت النبى صلى الله عليه وسلم فيى المنام فقال لى : مالك لا تتم الصلاه على ؟ فما كتبت بعد ذلك صلى الله عليه الا كتبت ''وسلم'' (تصحيح الكتب وضع الفهارس المعجمة و كيفية ضبط الكتاب، تحقيق استاذ عبد الفتاح ابو غده. ص ۲۲)

میں حضور اکرم ﷺ کی حدیثیں لکھا کرتا تھا اور جب آپ ﷺ کا نام گرامی آتا تو ''صلی اللہ علیہ'' لکھتا ''وسلم'' چھوڑ دیتا تو میں نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تو میرے نام پر پورا اسلام کیوں نہیں پڑھتا؟ اس کے بعد میں نے ہمیشہ آپ کا نام پورے صیغۂ درود کے ساتھ لکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کا رواج اور مختصر بیانی کی کوشش اس وقت بھی تھی۔

ان تمام آیات اور روایات کا حاصل یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مخطوطات کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مستشرقین نے اس کا رواج ڈالا اور مخطوطات کی تصحیح کر کے اسلامی کتب خانہ کی اہمیت بڑھائی صحیح نہیں ہے، چنانچہ علامہ شیخ احمد شاکر نے اپنی کتاب کا ذیلی عنوان یہی رکھا ہے ''كيفية ضبط الكتاب و سبق المسلمين الا فرنج فيى ذلك'' مگر بعض مصری محققین نے جن میں استاذ صلاح الدین المنجد سب سے آگے ہیں وہ اس بات کے مدعی رہے ہیں کہ مخطوطات کی حفاظت اور تصحیح کا کام سب سے زیادہ مستشرقین نے کیا ہے، چنانچہ اپنی کتاب ''قواعد تحقیقن المخطوطات'' میں لکھتے ہیں کہ:

''گذشتہ صدی سے عربوں نے مخطوطات کو جمع کرنے اور ان کی فہرست بنانے کا

کام شروع کیا اور مستشرقین اس معاملہ میں سبقت لے گئے اور سو برس پہلے سے زائد عرصہ سے وہ اس پر کام کر رہے ہیں اور بہت ہی علمی چھان بین اور تحقیق کے ساتھ یہ کام انہوں نے کیا ہے اگر چہ ان میں سے بعض محقق ایسے بھی گذرے ہیں جیسے ہنری زاہل جن کی عربیت کمزور تھی، لیکن نگاہِ تحقیق قوی تھی، عربوں نے مستشرقین کے شانہ بہ شانہ قدیم نصوص کی تحقیق کو اپنا موضوع بنایا اور علمی کم مائیگی کو چھپانے کے لئے مستشرقین پر طنز کرتے رہے"۔

غرض صلاح الدین المنجد نے علم الفہرست میں کچھ وقیع کام بھی کئے ہیں جیسے جرمن کے مستشرق ایچ ریٹر نے علم المخطوطات کے ذریعہ اسلامی نشریات کے سلسلہ میں Islamica Bibliotheca مرتب کی، لیکن اس کے ذریعہ احادیث نبویہ کے پورے مجموعے کو مشکوک ثابت کرنے کی علم المخطوطات کے ذریعہ سے کوشش کی ہے۔

صلاح الدین المنجد نے سیرتِ نبوی ﷺ پر عربی میں جو کام ہوئے ہیں، ان کی فہرست تیار کی ہے جن کی تعداد پانچ ہزار کتابوں سے زیادہ کہیں ہے جب کہ دار الکتب المصریہ کے قلمی نسخوں میں صرف عربی کی کتابیں اٹھارہ ہزار ہیں مگر اس پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب تحقیقی کتابیں نہیں ہیں بلکہ دیہاتوں میں پڑھی جانے والی مولود کی کتابیں بھی ہیں اور ایک کتاب کے پچیس نسخے پچیس قسم کے خطوں میں لکھے ہوئے شامل ہیں، بہر حال اس بحث کو ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور مستشرقین کے ہم نواؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے موضوع کے دوسرے مرحلہ کی طرف آگے بڑھتے ہیں۔

مخطوطات کی حفاظت، تصحیح و تحقیق اور فہرستوں کی تیاریوں کے سلسلہ میں اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ یہ ایک مستقل فن ہے، کسی کتب خانہ میں قلمی کتابوں کا موجود ہونا اس کی اہمیت نہیں ظاہر کرتا بلکہ ان امور پر بحث کی جاتی ہے۔

مخطوطہ کس فن کا ہے، اس فن کی زبان و اصطلاحات کی رعایت ہے یا نہیں۔ قلمی کتاب (مخطوطہ) مصنف نے خود لکھا ہے یا کسی ورّاق سے لکھوایا ہے، پوری کتاب ایک ہی روشنائی اور ایک ہی خط میں ہے یا مختلف قسم کی روشنائیاں ہیں اور نمونہ خط بدلا ہوا ہے۔

اس کے نسخے کہاں کہاں اور کس تعداد میں موجود ہیں اگر ایک نسخہ ہے تو اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اور اس کو جانچنے کے لئے کچھ اصول وضع کئے گئے ہیں، اس سلسلہ میں مسلمانوں کے نزدیک قابلِ اعتبار کتابیں حسب ذیل ہیں:

☆خزائن الكتب العربية
(مشہور کتاب خانوں کی فہرست) کانٹ فلیپ دی طرازی طبع بیروت ۱۹۴۸ء۔

☆نوادر المخطوطات: عبد السلام هارون. ط : لجنه المأ ليف ولترجمة و النشر من سنة ۱۳۸۰ء

☆كشاف اصطلاحات الفنون للتهانويي

☆المخصص لابن سيده

☆المزهر للسيو طيي

☆ التصحيف و التحريف للدار قطنيي

☆التصحيف والتحريف لأ بيي هلال العسكريي

☆ أ دب الكاتب لا بن قتيبه

☆ آداب الغة العربية لجرجى زيدان

☆آداب الغه العربية لبرو كلمان

☆الفهرست (لابن نديم) میں ۶۴۰۰ کتابوں کا کیٹلاگ ہے۔

☆كشف لفظنون عن اسامى الكتب و الفنون : تاليف مصطفىٰ بن عبد الله عرف حاجی خلیفہ اور کاتب چلپی۔

مخطوطات کے سلسلہ میں سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے ایک تسلیم شدہ شخصیت کے نام سے کوئی رسالہ تصنیف کر دیتے ہیں جیسے امام سیوطی کے نام پر ایک کتاب "فضائل الخلفاء الاموین" استنبول کے کتب

خانہ حکمت عارف میں موجود ہے، حالانکہ اس کا کوئی تعلق سیوطی سے نہیں ہے، ابن الندیم نے الفہرست میں اس کا پورا نام بھی نہیں دیا ہے، اس سلسلہ میں الورق والوارقون کا ذکر اور بھی ہے، ابن لندیم لکھتے ہیں:

''اہلِ عرب اونٹ کی چوڑی ہڈیوں پر، چکنے پتھر کے ٹکڑوں پر اور کھجور کے درخت کی جڑوں کے چھلکے پر لکھا کرتے تھے، اس کے بعد دباغت دیئے ہوئے چمڑوں پر لکھنے لگے اور اس پر چونے کے بطور روشنائی استعمال کرتے اور ان چمڑوں کی تمیز بھی اس طرح ہوتی کہ کوفی چمڑے کھجور جلا کر پکائے جاتے۔ اس میں نرمی ہوا کرتی تھی پھر خراسانی کاغذ پر لوگ لکھنے لگے اور اسی طرح تدریجاً اس کاغذ تک رسائی ہوئی جو چین اور مصر میں دریافت کئے گئے۔''

ابن خلدون کہتے ہیں کہ سرکاری کاغذات وثائق پر علوم وفنون کی کتابیں نہیں نقل کی جاتیں، اسی طرح شاہی فرمان مالی، حوالہ جات اور قرضوں کی رسیدیں عام کاغذوں پر نہیں لکھی جاتیں بلکہ ایسے چمڑوں پر اس کو لکھا جاتا جو تقریباً انمٹ ہوتے، وزیر الجہشیاری نے اپنی اس بات پر یقین کا اظہار کیا ہے کہ کاغذ کا استعمال ابوجعفر منصور کے عہد میں ہوا کرتا تھا اور وہ خاص قسم کا کاغذ بغداد سے پہلے مصر میں تیار ہوا، ابن الہذیم کا کہنا ہے کہ ایک متعین زمانہ میں عباسی دور میں لوگ صرف عروس پر لکھا کرتے تھے، یہ ایسا کاغذ ہوتا تھا، جس کو پڑھ کر لوگ مٹا دیتے پھر اس پر لکھتے جیسے اس زمانہ میں سلیٹ پر بچے لکھتے ہیں، غرض کہ کاغذ کا بدل اور کاغذ سازی کا ذکر ایک مستقل موضوع ہے۔

بہر حال مخطوطات کے نقل کرنے والے کو وراق کہا جاتا تھا اور ان کی دو قسمیں تھیں، کچھ وہ لوگ تھے جو کسب معاش کے لئے کتابیں نقل کر کے فروخت کیا کرتے تھے اور کچھ ایسے لوگ تھے جو کتابیں نقل کرتے یا املا لے کر اس کو مرتب کرتے اور بسا اوقات خود مؤلف اپنی کتاب اپنے قلم سے لکھتے اور ان سب کو وراق کا لقب دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ بڑی اہمیت کے حامل تھے، کتابوں میں تصحیف وتحریف، حذف واضافہ کرنا جس کی ذمہ داری اصل مصنف پر ہو عام تھا، جو لوگ خود اپنی کتاب لکھتے وہ ہمیشہ ایک سطح کے نہیں ہوتے، کچھ

ایسے لوگ تھے کہ نقل کے زمانہ میں ان کی رائے بدل جاتی، کچھ ایسے لوگ تھے، جو اپنی تصنیف خود لکھتے جیسے امام جلال الدین سیوطیؒ ہیں جن کی ہر فن پر کتاب مل جاتی ہے اور انہوں نے نصیحت کی تھی کہ وہ جب مرجائیں تو ان کو غسل دینے کے لئے پانی ان کے قلموں کے کترن سے گرکر کے تیار کیا جائے، قلم بنانا اور اس کا قط بنانا بھی ایک فن تھا، ''صبح الاعشیٰ'' کی جلد اول کا بڑا حصہ ان تعلیمات پر مشتمل تھا کہ بانس کی نرکل سے قلم کس طرح بنایا جائے، اس کی چوڑائی اور لمبائی کتنی ہو، روشنائی کیسی استعمال کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ کچھ لوگ حکمران خلیفہ کے دربار میں اسی کام کے لئے ملازم ہوتے، وراقین میں جو لوگ بہت مشہور ہیں ان میں خالد ابن الہیاج کو ابن ندیم نے مرکزی مقام دیا ہے اور انہوں نے سونے کے حروف میں بھی بعض نقشے اور قرآنِ مجید کی سورتیں تیار کی تھیں، ان کے بعد مالک ابن دینار سامی کا نام آتا ہے، انہی میں ابوعلی الحسن بن الحسن بن الہیثم بصرہ کے رہنے والے اصلاً انجینئر تھے اور اپنے سب کام کر کے سال میں قرآن مجید کے دو یا تین نقلیں کرلیا کرتے تھے، انہی علمائے وراقین میں ابوموسیٰ الحامد اور ابوعبداللہ الکرمانی کا نام بھی ہے، ایک دلچسپ بات جو یحییٰ بن محمد الارزنی کے بارے میں کہی جاتی ہے اور جس کو یاقوت نے نقل کیا ہے کہ وہ اما فی العربیه ملیح الخط سریع الکتابة تھے، یعنی عربیت میں امام، خوش نویس اور زود نویس تھے، عصر کے وقت بغداد میں اس بازار میں جاتے جہاں لوگ کتابیں لکھوانے آتے، اور وہ ثعالب کی کتاب ''الفصیح'' نصف دینار میں نقل کر دیا کرتے تھے اور اس سے نبیذ، پھل اور گوشت لے کر گھر آیا کرتے تھے۔

قدیم وراقین میں سہل بن عوف مانے ہوئے خوش نویس تھے، ابن الندیم نے لکھا ہے انہوں نے سورۃ الشّمس سے لے کر سورۃ الناس تک مسجد نبوی کے قبلہ کی جانب بیٹھ کر سونے کے حروف سے لکھا، ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمائش کی کہ اسی طرح سونے کے حروف میں پورا قرآن لکھ دیں، چنانچہ انہوں نے پورے قرآن کی کتابت کردی، حضرت عمر نے اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پسند کیا مگر وہ قیمت اتنی مانگ رہے تھے جو

حضرت عمر نہ دے سکے اور کتاب واپس کردی پھر وہی نسخہ ہارون الرشید کے ایک وزیر نے ۱۸۸ھ میں سہل بن عوف کے ورثہ سے خرید لیا اور اب وہ ایران کے شاہی کتب خانہ کی خاص الماری میں ہے اور اس کی چابی سابق شاہِ ایران کے ایوانِ خاص کے ذمہ دار کے پاس رہا کرتی تھی اور جواب بھی ہوگی مگر اس کی زیارت کا کیا قاعدہ ہے معلوم نہیں۔

ابو عثمان جاحظ جو مشہور صاحبِ قلم اور صاحبِ اسلوب ہیں، کتاب البخلاء اور البیان والتبیین کے مصنف۔ وہ بھی پہلے وراقین میں شمار ہوتے تھے، انہی میں ابو یحییٰ بن زکریا بھی تھے۔ جن کا ذکر معجم الادباء میں ابن الندیم کے حوالہ سے موجود ہے اور اس قبیل کے متعدد حضرات کے نام تاریخ میں اس حیثیت سے ملتے ہیں کہ وہ وراقی (خوشنویسی) کا کام جانتے تھے اور کرتے تھے۔ استاد عبدالسلام ہارون جو ادب ولغت میں بڑے پایہ کے محقق ہیں انہوں نے اپنی کتاب "تحقق النصوص ونشر ھا" میں تفصیل سے ان وراقین کا نام دیا ہے اور اس فہرست کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مستشرقین کے ان ہفوات کا جواب دیں کہ مسلمانوں کی علمی وراثت ہم نے سنبھال کر رکھی ہے، خود مسلمان اس فن سے ناواقف تھے۔

تصحیف وتحریف:

قلمی کتابوں میں سب سے بڑی مشکل بلکہ مصیبت تصحیف وتحریف ہے، دونوں لفظوں کے معنی یکساں ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ تصحیف کا نتیجہ تحریف ہوا کرتا ہے، اس فن پر حسن بن عبداللہ بن سعید العسکری (و: ۲۹۳ م: ۳۸۲) (یہ پہلے مصنف ہیں جنہوں نے دونوں کے درمیان فرق کو ظاہر کیا ہے) اپنی کتاب کے ابتدا میں لکھتے ہیں:

"شرحت فیی کتابی ھذا الألفظ والأسماء المشکلة التیی تتشابه فیی صورة الخط فیقع فیھا التصحیف وید خلھا التحریف"

یعنی میں نے اپنی کتاب میں وہ الفاظ اور وہ اعراب دیئے ہوئے اسماء نقل کئے

ہیں جو تحریر میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر اس میں تصحیف ہوتی ہے اور اس طرح تحریف داخل ہو جاتی ہے، تصحیف کا مطلب یہ ہے کہ نقل نویس نے کسی کتاب میں ایک ایسا لفظ جو ''س'' سے ہے وہ ''ش'' سے لکھ دیا اور جو ''ض'' سے ہے اس کو ''ص'' سے لکھ دیا اور تحریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ لفظ جو نقل نویس سے نہیں پڑھا گیا اس نے اسی طرح کا دوسرا لفظ اپنی طرف سے جوڑ دیا مثال کے طور پر سورہ یوسف میں آیا ہے۔ جعل السفاية فی رجل اخیه اس کو لکھ دیا جعل السفینة فی رجل اخیه اور الم ترکیف فعل ربک باء صحاب الفیل کو آلم ترکیف فعل ربک باء صحاب الفیل ۔ حمزہ زیات القاری کے بارے میں سیوطی نے المزہر میں لکھا ہے کہ وہ قرآن کا ناظرہ یاد کرتا تھا، تو اپنے والد کی موجودگی میں ایک روز پڑھا ''الم ذلک الکتاب لا ریب فیه'' اس کے والد نے اس کو جھڑک کر کہا کہ قرآن پڑھنے والوں سے سیکھ۔ لکھے ہوئے مسودے سے مت یاد کرو جس طرح تم نے پڑھا اس سے قرآن مجید کے الفاظ میں تحریف ہو جاتی ہے جو باعثِ عذاب ہے اور حرام ہے اور یہ عام شکایت ہے کہ ہزاروں کتابیں ایسی ہیں جو پہلے قلمی تھیں اور قلمی ہونے کے زمانے میں بعض حروف کے یکساں ہونے کی بنا پر لوگ غلط لکھ گئے جیسے ثابت کی جگہ نابت لکھ دیا جاعل کی جگہ خامل لکھ دیا، پھر تحقیق کرنے والے سامنے آئے اور انہوں نے دوسرے نسخہ سے ملا کر اور اہل علم سے مل کر ان کی تصحیح کی اور یہ سلسلہ اب تک عام ہے کہ ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جو تصحیف کی وجہ سے غلط لکھے گئے اور چھپ گئے مگر ایسے علمائے محققین بھی ہر زمانے میں رہے ہیں جنہوں نے تحریف و تصحیف کرنے والوں کی لگام پکڑ لی۔

یہاں بھی مستشرقین کی خدمات کا مبالغہ کے ساتھ اعتراف کرنے والے ہیں جو مسلمانوں کی خدمات تصحیح کی شکل میں بہت بڑھی ہوئی ہیں کیوں کہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اس فن پر لکھنے والوں نے بے شمار مثالیں جمع کر دی ہیں اور راقم الحروف نے صرف اس کے سرنامہ اور عنوان کو واضح کیا ہے تا کہ کتابوں پر تحقیق کرنے والے ان باتوں کو ذہن میں رکھیں۔ اس کے علاوہ ایک اہم کام قلمی کتابوں کے سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ کسی وراق نے ایک کتاب کی غلط نسبت دوسرے کی

طرف کردی ہے جیسے تنبیہ الملوک والحکایہ جاحظ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے اور ابوعلی القالی کی الامالی کا تیسرا حصہ علی القالی کی طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ اس باب کو میں نے بہت مختصر اور اشارہ کر کے چھوڑ دیا ورنہ اس موضوع پر مکمل کتابیں تیار کی گئی ہیں۔

ہم اپنے اس مختصر مقالہ میں ان فہرستوں کا تذکرہ کریں گے جو اس وقت بھی علمی دنیا میں مشہور ہیں اور جہاں ایک دوسرے سے کتابیں مستعار لے سکتے ہیں یا ان کی زیراکس حاصل کر سکتے ہیں، سب سے پہلی فہرست جو اسلامی ممالک میں مرتب کی گئی ہے وہ کتب خانہ ابراہیم پاشا داماد کی ہے، داماد استنبول میں ہے، جو ۱۸۸۲ء میں قائم ہوا تھا اور وہیں راغب پاشا کا کتب خانہ ہے جو ۲۸۵ھ میں تیار ہوا، تیونس میں قلمی کتابوں کا مجموعہ جس کتب خانہ میں ہے اس کو دفتر المکتبہ الصادقیتہ کہتے ہیں، یہ ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں قائم ہوا، ورقاہرہ کا کتب خانہ خدیویہ اسی زمانہ میں تیار ہوا، ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں المکتبتہ الأ مویہ بدمشق کی فہرست تیار ہوئی۔ اس کا جدید نام مکتبہ ظاہریہ ہے، سلطان عبدالحمید ثانی کے حکم سے استنبول میں قلمی کتابوں کی فہرستیں تیار ہوئیں، مسجد ایاصوفیہ کا کتب خانہ ۱۳۰۴ھ میں مسلمانوں نے واپس حاصل کیا۔

قاہرہ میں قلمی کتابوں پر کام ۱۳۰۶ھ سے شروع ہوا لیکن ان تمام کتب خانوں میں جو قلمی کتابوں کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔ اب مطبوعات کا بھی حصہ کافی جمع ہو گیا ہے اور خاص طور پر وہ کتابیں جو پہلے قلمی شکل میں صدیوں سے پڑی تھیں ان پر تحقیقی کام کر کے اب ان کو شائع کیا گیا ہے، جس میں مشہور صوفی شاعر ابن الفارض کے صوفیانہ قصائد ۱۹۵۰ء میں طبع ہوئے۔ پہلے اس کے قصائد لوگوں کو زبانی یاد تھے جیسے ان کے مشہور قصیدے کا شعر

شر بنا علی زکر الحبیب مدامة

سکرنا بھا من قبل أن یخلق الکرم

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اپنی کتاب قواعد فھرسة المخطوطات العربیة میں ان کتب خانوں کے نام دیئے ہیں جو عرب ممالک میں ہیں اور زیادہ تر ہر ملک کی اوقاف ... کی ... پٹنہ کی اورینٹل لائبریری کے کیٹلاگ

تیار شدہ مطبوعہ شکل میں دنیا کی تقریباً ہر لائبریری میں ہیں۔ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں، میں نے خود دیکھا ہے دار الکتب المصر یہ میں مخطوطات کی فہرست ۱۹۵۶ء میں تیار ہوئی اور تقریباً دو لاکھ کتابیں موجود ہیں اور ایک بڑی تعداد میں وہ کتابیں ہیں جن پر ریسرچ کا کام ہو چکا ہے اور چھپ چکی ہیں۔ عرب لیگ کے شعبہ ثقافت کے کتب خانہ میں پورے عالم اسلام کے اہم کتب خانوں کا مجموعہ موجود ہے۔ ۱۹۴۲ء میں ایک ٹیم ہندوستان آئی اور اس نے ہر صوبے کے اہم کتب خانوں کا جائزہ لیا اور ان کی قلمی کتابیں زیراکس سے تیار کر لیں، اس دفد کے سربراہ شاد بن عبد المطلب تھے، میری طالب علمی کے زمانہ میں یہ وفد ندوہ میں آ کر ٹھہرا تھا، استاد رشاد بن عبد المطلب ایک دیندار فاضل اور حب نبوی ﷺ کی دولت سے بہرہ مند تھے، ہم طلبہ ان کے بہت قریب تھے اور ان سے اس لئے ملا کرتے تھے کہ عربی زبان میں بات کرنے کا موقع ایک مصری عالم سے ملے، استاد رشاد نے بتایا تھا کہ عرب لیگ کے شعبۂ ثقافت کے مرکزی دفتر میں ان اشعار کے چوکھٹے تیار کئے گئے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے نعلین پاک کی شبیہ رکھی ہے، استاد رشاد نے یہ دو شعر سنائے تھے۔

ونعلٍ خضعنا هيبة لجلالها

ونحن متى نخضع لهيبتها نعلو

فضعها بأعلى الرأ س حفظاً و جنة

حقيقتها تاج وصورتها نعل

(وہ نعلین پاک جس کی جلالتِ شان کے آگے ہمارے سر جھکتے ہیں اور جب بھی ہمارے سر ان جوتیوں کے لئے جھکے ہم بلند ہو گئے۔ تم اس کو اپنے سر پر رکھو، حفاظت کا سامان اور ڈھال ہے، دراصل یہ تاج ہے مگر دیکھنے میں نعل معلوم ہوتا ہے)۔

اس وفد نے لکھنؤ کے آس پاس اور شہرِ لکھنؤ میں جو بھی قلمی کتابیں ملیں ان کا زیراکس تیار کر لیا اور زیراکس کی مشین اور اس پر کام کرنے والے تربیت یافتہ رفقاء ساتھ تھے۔ لکھنؤ، الہٰ آباد اور آس پاس کے شہروں میں جہاں کسی کتاب کا پتہ چلا اس کی تصویر اس

وفد نے تیار کرلی، لکھنؤ کے بعد یہ وفد پٹنہ گیا اور اورینٹل لائبریری کے تمام مخطوطات کا زیراکس تیار کیا۔ اسی زمانہ میں اس وفد نے خانقاہ مجیبیہ بدریہ کی قلمی کتابوں کی فہرست حاصل کی تھی اور ریکارڈ میں حضرت شاہ شہاب الدین قادری علیہ الرحمتہ کا نام موجود ہے جو اس زمانہ میں اس کتب خانہ کے منتظم تھے، برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کی لائبریری میں مُنیر شیریف، بہار شریف اور مونگیر کے کتب خانوں کی فہرستیں بھی موجود ہیں اور ہر کتاب کا تعارف اس طرح کیا گیا ہے۔

کتاب کا نام، مصنف، فن، سن کتابت، کاغذ کی نوعیت، جلد کی نوعیت، کتاب کے ابتدائی صفحہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی نقل اور آخری صفحہ کے آخر سطروں کی عبارت اگر ان میں سے کوئی چیز ناقص ہے، فرنگی محل اور شیعوں کے مدرسہ کاظمیہ اور ناظمیہ کے کتب خانوں کا کیٹلاگ بھی ہے رامپور، حیدرآباد کے کتب خانے بہت ہی اہم اور نادر اشیاء سے پُر تھے، ان کی بھی تفصیل ہے، بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کی تصنیفات اور ان کی جمع کردہ کتابوں کی الگ فہرست ہے، غرض اگر صرف ہندوستان کے کتب خانوں کے نوادر ایک جگہ دیکھنا ہو تو قاہرہ میں عرب لیگ کے شعبۂ ثقافت میں مل جائیں گے، اس وفد کے سربراہ نے بتایا کہ یہ کام یعنی کتابوں کو حفاظت سے رکھنے اور مخطوطات کی قدردانی کرنے اور اس کے نفع عام سامنے لانے کے لئے ایک مستقل عملہ کی ضرورت ہے، جس میں اچھی عربی جاننے والے، فارسی داں، مقامی زبان سے واقف اور سب سے بڑھ کر صاحبِ ذوق افراد ہوں، ورنہ کتب خانوں کی حیثیت بکسوں میں بند لعل و جواہر کی تو ہوسکتی ہے، مگر رفاہِ عام کا کوئی کام وہاں سے نہیں ہوسکتا، بہت سی قلمی کتابیں ایسی ہیں جن کو ایسے کمروں کی الماریوں میں رکھا جاتا ہے جہاں ایئر کنڈیشن ہو، ہمارے اداروں، خانقاہوں اور مدرسوں میں جو کتابیں قلمی یا مطبوعہ ہیں ان کی حفاظت کا کام مشکل ہے، اب حکومت نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے، ان قلمی کتابوں کو لکڑی سے بنی ہوئی الماریوں میں رکھا جائے تو دیمک چاٹ جاتی ہیں اس لئے لوہے کی الماریوں میں رکھنے کی سفارش کی گئی ہے۔

مراجع

(۱)الا تقان از علامه سیوطی

(۲) (مقدمه ترجمه قرآن) از آر بری

(۳) تصحيح الكتب وضع الفهارس المعجمة و كيفية ضبط الكتاب
از استادمحدث جلیل، احمد شاکر ، تحقیق استاد عبد الفتاح ابو غده

(۴) قواعد تحقيق الخطوطات از علامه صلاح الدين النجد

(۵)Bibliotheca Islamica ازایچ ریٹر

(۶) الفهرست ازابن الندیم

(۷) نوادر المخطوطات ازعبدالسلام ہارون

(۸) المخصص از ابن سیده

(۹) المزهر از علامه سیوطی

(۱۰) ایضاً

(۱۱) التصحيف والتحريف از ابو هلال العسكريى

(۱۲) ادب الكاتب از ابن قتيبه

(۱۳) آداب اللغة العربية از جرجی زیدان

(۱۴) كشف الظنون عن اء سامی الکتب والفنون
تالیف مصطفیٰ بن عبداللہ عرف حاجی خلیفہ اور کاتب چلپی (خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے جرنل کے شکریہ کے ساتھ)

(بحوالہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ ۱۰/جون ۲۰۰۵)

............☆☆☆............

☆......عبدالغفار صدیقی

سنجیدہ کتب بینی

مطالعے اور مشاہدے کی عنایتیں

مطالعہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی غور، توجہ، دھیان۔ کسی چیز کو اس سے واقفیت پیدا کرنے کی غرض سے دیکھنا اور کتب بینی کے ہیں۔ عام طور پر کتاب پڑھنے کو مطالعہ کہا جاتا ہے۔ ہر شخص قائل ہے کہ مطالعہ کرنے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ہر شخص مطالعہ نہیں کرتا۔ البتہ جو لوگ مطالعہ کرتے ہیں وہ اس کے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں مطالعہ نہ کرنے کی شکایت عام ہے۔ تعلیم یافتہ افراد کی ایک بڑی تعداد لاپرواہی، کسل مندی اور بے توجہی کے باعث مطالعہ نہیں کرتی، بعض لوگ اپنی ملازمت سے مطمئن ہو کر مطالعہ چھوڑ دیتے ہیں، تجارت پیشہ افراد اپنی کاروباری مصروفیات کا بہانہ بناتے ہیں مگر جو لوگ مطالعہ کرتے ہیں ان میں سے بھی بیشتر افراد بے ترتیب مطالعہ کرتے ہیں، کبھی کوئی کتاب اُٹھالی، کبھی کوئی کتاب دیکھ لی۔ اس لیے مطالعہ کے باوجود کچھ حاصل نہیں کر پاتے اور حاصلِ مطالعہ لکھنے کی توفیق تو بڑے نصیبے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اردو رسائل واخبارات کے مالکان و مدیران پریشان ہیں کہ ان کے قارئین کی تعداد و معیار دونوں گھٹ رہے ہیں۔ بظاہر دیکھا جائے تو پچاس سال پہلے کے مقابلے میں اردو ورسائل اخبارات کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے لیکن جس رفتار سے تعلیمی شرح اور آبادی میں اضافہ ہوا ہے اس کی مناسبت سے واقعی یہ تعداد گھٹ رہی ہے۔ مطالعہ میں کمی کی ایک وجہ ٹی وی اور

جدید میڈیا، انٹرنیٹ، فیس بک، کمپیوٹر وغیرہ بھی ہے۔ حالانکہ یہ ذرائع مطالعہ کرنے میں بھی مفید ومعاون ہوسکتے ہیں، پہلے کسی کتاب کو حاصل کرنے کے لیے لائبریری جانا پڑتا تھا، اب انٹرنیٹ پر لائبریریاں موجود ہیں، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مطالعہ نہ کرنے والوں کا ایک عذر وقت کی تنگی اور عدیم الفرصتی کا ہے، تاہم اگر ہم اپنے اوقات کا جائزہ لیں تو گھنٹوں فضولیات میں برباد کردیتے ہیں۔ مثلاً رات کو دیر تک TV پر مختلف پروگرام دیکھتے رہتے ہیں یا فیس بک پر دوستوں سے Chat کرتے رہتے ہیں یا عصر کے بعد دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے ہیں، صبح دیر سے اٹھتے ہیں اور اچھا خاصا وقت ضائع کردیتے ہیں۔ ملازمت ہو یا تجارت عام طور پر شہروں میں صبح 9 یا 10 بجے ہی کام شروع ہوتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان اگر فجر کی نماز جماعت سے ادا کرے تو گرمیوں میں چار گھنٹہ اور سردیوں میں تین گھنٹہ اس کے پاس وقت رہتا ہے جس میں سے ایک گھنٹہ مطالعہ کے لیے فارغ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح عام طور پر ملازمت شام 5 بجے ختم ہوجاتی ہے اور کاروباری مرکز رات 8 بجے تک بند ہوجاتے ہیں، گویا رات کو بھی سونے سے پہلے ایک گھنٹہ کا وقت بسہولت مل سکتا ہے مگر ہماری بے توجہی ہے جس کے سبب یہ وقت بے کار ہوتا ہے۔ ذرا سوچیے اگر ایک شخص روزانہ ایک گھنٹہ مطالعہ کرے اور ایک گھنٹہ میں 20 صفحات کا مطالعہ کرے تو ایک ماہ میں 600 صفحہ کی کتاب پڑھ سکتا ہے اور ایک سال میں 2,19000 (دولاکھ انیس ہزار) صفحات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ بالفرض ایک شخص کی عمر 65 سال ہو اور وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہوکر 25 سال کی عمر میں مطالعہ شروع کرے، اس طرح وہ 40 سال مطالعہ کرے گا اور اس مدت میں 8 کروڑ 76 ہزار صفحات پڑھ ڈالے گا۔ اوسطاً اگر ایک کتاب 120 صفحہ کی ہوتو اس دوران 73000 کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ ذرا اندازہ کیجیے، اتنی کتابوں کے مطالعہ کے بعد آپ کے علم اور معلومات کی کیفیت کیا ہوگی؟ اور اس علم کا آپ کی اپنی ذات کو آپ کے بچوں کو کس قدر فائدہ ہوگا۔ ملک وملت کا جو فائدہ ہوگا وہ الگ ہے۔ اس بات کو دوسرے نظریہ سے دیکھئے۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو

کتنا بڑا ذاتی وعائلی نقصان ہے جو آپ کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ کیا اس کی تلافی ممکن ہے؟ لہٰذا عدیم الفرصتی کا عذر عذرِ لنگ ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مطالعہ کی ایک قسم اجتماعی مطالعہ کی ہے، اس میں چار چھ افراد ایک ساتھ بیٹھ کر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور آپس میں ڈسکشن کے ذریعہ افہام وتفہیم کرتے ہیں، اس طرح مطالعہ کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے بلکہ افراد کی تعداد کی مناسبت سے بڑھ جاتی ہے مثلاً اگر چار افراد ہوں تو چار گنا اور چھ افراد ہوں تو چھ گنا۔ مجھے احساس ہے کہ میری ان باتوں کا فائدہ بھی انھیں افراد کو پہنچے گا جو مطالعہ کرتے ہیں اور جو لوگ سرے سے مطالعہ کے قائل ہی نہیں ہیں تو ان کے لئے میری یہ تحریر بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہوگی۔

مطالعہ کرتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں:

مطالعہ کا وقت متعین ہو۔ مطالعہ کا نصاب متعین ہو۔ مطالعہ کے بعد اگر حاصلِ مطالعہ لکھ لیں تو فائدہ کوئی گنا بڑھایا جاسکتا ہے۔ مطالعہ کے بعد جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اسے اپنے آس پاس کے افراد، اہل خانہ، دوستوں سے Share کریں، اس سے آپ کو یاد بھی رہے گا اور دوسروں تک بات بھی پہنچ جائے گی۔ مطالعہ مثبت اور تعمیری فکر کے ساتھ ہو۔ کوشش کریں کہ جو کتاب مطالعہ کرنا ہے اسے خرید لیں۔ اس طرح آپ کی اپنی لائبریری قائم ہو جائے گی۔ ایک مسلمان کو اپنے مطالعہ میں قرآن مجید، سیرت، تاریخِ اسلام کو ضرور شامل کرنا چاہیے، اس کے بعد حسبِ ضرورت وصلاحیت مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ جس پیشہ بھی سے تعلق رکھتے ہیں اس سے متعلق کتابوں کا مطالعہ آپ کو مالی منفعت کا باعث بھی بن سکتا ہے، مثلاً آپ آنکھوں کے ڈاکٹر ہیں تو اس سے متعلق جس قدر مواد ہو اگر آپ اس کا مطالعہ کرلیں گے تو آپ کی مہارت میں اضافہ ہوگا جو یقیناً آپ کی آمدنی میں اضافہ کا سبب ہوگا۔

(بحوالہ کشمیر عُظمیٰ ۱۰ مئی ۲۰۱۳)

............☆☆☆............

☆......عبدالرحمٰن مخلصؔ

ذوقِ مطالعہ

اچھی کتاب انسان کی بہترین رفیق ہے۔ یہ اُس وقت بھی ساتھ دیتی ہے جب کوئی بھی ساتھ دینے پر آمادہ وتیار نہ ہو اور طرہ یہ کہ رفیقوں دوستوں کی طرح درازئ صحت سے اُکتا کر بھی نہیں جاتی۔ ہاں انسان کو تھک ہار کر خود ہی اونگھ لگ جائے تو اس میں کتاب کا کوئی قصور نہیں لیکن اس بے لوث اور بے غرض رفاقت کے حصول کے لئے ایک شرط ہے کہ انسان میں ذوقِ مطالعہ ہو۔ یہ نہ ہو تو مارے باندھے کا مطالعہ لطف نہیں دیتا۔ بدقسمتی سے یہ شئے ہمارے یہاں نایاب تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ مطالعہ کو تضیعِ اوقات کا نام دیتے ہیں کیونکہ اس سے نقد کی صورت میں کچھ نہیں ملتا۔

کسی لانگ روٹ (Long Route) پر گاڑی میں سفر کرتے ہوئے آپ کو بھی یہ تجربہ ضرور ہوا ہوگا کہ ذوقِ مطالعہ یا بوریت کا مارا کوئی مسافر اخبار یا رسالہ خریدتا ہے۔ خریداری کے اس عمل کے ساتھ ہی گاڑی میں سوار بہت سارے تعلیم یافتہ یا نیم تعلیم یافتہ لوگوں کی نظریں اُس پر جم جاتی ہیں۔ وہ بے قراری سے پہلو بدلنے لگتے ہیں کہ کب وہ صاحب اخبار ورسالے کو تہہ کرنے کی کوشش کرے اور وہ ہاتھ بڑھا کر اسے اُچک لیں۔ کبھی کبھی تو کوئی اتنا جری اور دیدہ ولیر بن جاتا ہے کہ اخبار/ رسالہ ہی ہاتھ سے چھین لیتا ہے۔ اگر صاحبِ اخبار/ رسالہ مروّت کا مارا ہو تو بس ایک ٹھنڈی آہ بھر کے رہ جاتا ہے اور اصولوں کا دھنی ہوا تو تلخ کلامی پر اُتر آتا ہے اور ناحق کی چخ چخ شروع ہو جاتی ہے۔ اب کوئی اخبار/ رسالے سوالی سے کہتا "جناب! آج کل کلاس فورتھ ملازم بھی کم سے کم چار ہزار

روپے کا مشاہرہ پاتا ہے، اگر آپ ہر روز بھی غریب و مظلوم اُردو زبان کا صرف ایک اخبار پڑھیں گے تو آپ کے بجٹ کی صحت پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑے گا۔ ہاں اردو اخبار سرکولیشن (Circulation) بڑھ جائے گی۔ اخبار ترقی کرے گا۔ آپ کے اور آپ کے بچوں کی قابلیت میں اضافہ ہوگا۔ اُردو زبان بچ جائے گی جس میں ہمارے دین، تہذیب، تمدن اور شعر و ادب کا بیش بہا سرمایہ موجود ہے جو محض تعصب و تنگ نظری سے سیاست کی صلیب پر لٹکائی گئی ہے چلیئے مان لیا کہ اردو اخبار والے آپ کو ایک طرح سے بلیک میل کر رہے ہیں اور مواد کی جگہ اشتہارات فراہم کرتے ہیں جو کسی بھی اخبار کا حتمی مقصد نہیں ہونا چاہئے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اگر ان "بے چاروں" کو "اشتہارات" کی بیساکھیاں میسر نہ ہوں تو آپ کا ذوقِ مطالعہ ان کے سامانِ کتابت و طباعت کو بس دو دن میں کباڑی کے ہاں نیلام کروائے گا۔ کشمیری ہماری مادری زبان ہے لیکن آج تک اس کا ایک بھی اخبار یا رسالہ دس قدم سے زیادہ نہ چل سکا اور یہ بھی صرف آپ ہی کے ذوقِ مطالعہ کی کرم فرمائی ہے۔ یہ بھی مان لیا کہ آج کے زمانے میں بچت کرنے کے سوا انسان شاید زندہ ہی نہ رہ سکے لیکن بچت سگریٹ پینے میں کمی کرنے سے، ہوٹلوں ریستورانوں میں کانتی کباب میں کٹوتی کرنے سے یا سامانِ تعیش (Luxuries) میں اعتدال پیدا کرنے سے بھی کی جاسکتی ہے۔ اس لئے بچت کرنے کا آغاز اخبار، رسالہ یا کتاب نہ خریدنے سے ہی کیوں کیا جائے"؟ لیکن وہ یہ سب سن کر اخبار/ رسالہ اُس کے منہ پر دے مار کر دعوتِ مبارزہ دے گا۔

ہمارے کشمیر کی سرزمین علم و ادب کے معاملے میں بڑی زرخیز ہے لیکن ذوقِ مطالعہ کی کمی نے یکتائے روزگار شاعروں اور ادیبوں کو زندہ درگور کر دیا۔ وہ اپنے احساسات کو نکاس عطا کرنے کے لئے لکھتے رہے اور دیدہ و دل سے چراغاں کرتے رہے لیکن اُن کے کارنامے کسمپرسی کی وجہ سے دیمک اور چوہوں کی نذر ہو گئے ؎

توڑنے والا جب ملا نہ کوئی
رہ گئے پھول کتنے مرجھا کر

یہ ذوقِ مطالعہ ہی کا فقدان ہے کہ شاہکار تحریریں منصۂ شہود پر نہیں آرہی ہیں اور جو کچھ بھی سامنے آرہا ہے اس میں قلمکاروں کی ذاتی جگر کاوی، جدو جہد، کشمکش، تگ ودواور خانہ براندازی شامل ہوتی ہے لیکن اس کے باوصف اُنہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ کتابیں تو چھاپیں گے لیکن اُن کی قدر اور پذیر آئی اُسی طرح ہوگی جس طرح اندھوں کے شہر میں آئینوں کی ہوتی ہے۔ رہے وہ ادارے جو حکومتوں نے اس غرض سے بنائے تھے، تو ان کے جملہ حقوق بحق منظورانِ نظر اور مسکا باز خواتین وحضرات محفوظ ہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے کہ مسکا لگانا بہت بڑا فن ہے جس کے ماہروں کی تعداد ساری ریاست جموں وکشمیر میں یقیناً تین ہندسوں میں نہیں ہوگی!

(بحوالہ کشمیر عظمیٰ سرینگر، ۲۶ر فروری ۲۰۱۲)

............☆☆☆............

قَیِّدِ و واعِلمُ بلا کِتَاب

علم کو قلمبند کرو (حدیث)

روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا دل کو نوشتے سے اطمینان ہوتا ہے۔ اپنے نوشتوں کو محفوظ رکھو تا کہ آئندہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکو ایک اور موقعہ پر آپ نے مفصل فرمایا ہے۔ لکھو اور اپنے علم کو اپنے دوستوں کے درمیان پھیلاؤ اور جب وقت مرگ آئے تو انہیں اپنے بیٹوں کو بطور خیرات سپرد کرو۔ کیونکہ جب فتنہ وآشوب کا زمانہ آتا ہے تو بجز کتاب کوئی اور مونس دمساز نہیں ہوتا۔

ماہنامہ اقبال۔ آسنسوال

بحوالہ شیرازہ جلد ۴۶۔ شمارہ ۳ صفحہ ۶۵

............☆☆☆............

☆......ڈاکٹر عبدالمجید بابا

لائبریرین ڈے
کتب بینی کا شوق بڑھانے کا بہانہ

۱۲/ اگست کا دن قومی سطح پر لائبریرین ڈے کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ آج ہندوستان کے نامور لائبریرین پروفیسر (ڈاکٹر) شری ایس آر رنگناتھن کا ایک سو بیس واں جنم دن ہے۔ وہ 1892ء میں 12 / اگست کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے تامل ناڈو کے ایک گاؤں شیالی میں جنم لیا۔ پروفیسر ایس آر رنگناتھن سے پہلے جن ماہرین نے لائبریری سائنس کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان میں H.E. Bliss, E.C. Richardson W.C. Berwick sayers Charles Ammi Cutter, Melvil Dewey. ہیں۔

لائبریری سائنس کے میدان میں رنگناتھن کی آمد 1924ء میں ہوئی اور اسی وقت انہوں نے لائبریری سائنس کے لئے بیش بہا خدمات انجام دینا شروع کیں۔ مغربی ممالک میں اس وقت تک اس میدان میں جو کچھ بھی علمی اور تکنیکی طور ہوا تھا، اس کی انہوں نے معقول تعریف تو کی لیکن انہوں نے صرف اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس میدان میں ترقی کے بے شمار امکانات لندن میں لائبریرین شپ کی تعلیم پا رہے تھے تو اسی وقت انہیں یہ اندازہ ہوا کہ برطانوی کتب خانوں کی تنظیم و تربیت کے اصول وضوابط میں نمایاں طور پر ترقی ہو چکی تھی کیونکہ عملی تجربہ کی بنیاد پر ہی وہاں لائبریری سائنس کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ 1925ء میں

جب وہ ہندوستان واپس آئے تو مدارس یونیورسٹی کے کتب خانے میں انہوں نے اسی بنیاد پر تجربہ شروع کیا۔ اپنے اسی تجربہ کی روشنی میں انہوں نے لائبریری سائنس کے پانچ بنیادی اصول مرتب کئے جس کی اشاعت کتابی شکل میں 1931ء میں ہوئی۔ وہ پانچ اصول ہیں:

۱۔ کتابیں استعمال کے لئے ہیں۔

۲۔ ہر پڑھنے والے کو اس کی کتاب ملے۔

۳۔ ہر کتاب کو اس کا پڑھنے والا ملے۔

۴۔ پڑھنے والوں کے وقت کی بچت کریں۔

۵۔ کتب خانہ ترقی پذیر ادارہ ہے۔

رنگاناتھن کے بتائے ہوئے محولہ بالا پانچ اصول لائبریری سائینس کے حوالے سے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان اصولوں کی بنیاد پر لائبریری کو ایک ٹھوس شکل دی جاسکتی ہے۔ لائبریری سائنس کے میدان میں ہندوستان کی جو متاثر کن دین ہے، اس سے دنیا میں ہندوستان کی تعلیمی و تدریسی اہمیت کافی بڑھ گئی ہے۔ البتہ رنگاناتھن نے جن پانچ اصولوں کو مرتب کیا لائبریری سائنس کی وسیع دنیا کے لئے صرف یہی اصول کافی نہیں ہیں۔ ان اصولوں کے علاوہ بھی نئے اصولوں کی گنجائش ماجود ہے۔ انہیں وسعت عطا کرنے کے لئے گہرے مطالعہ، انتھک تلاش و جستجو اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ یہ اب لائبریری سائنس کا فہم و شعور رکھنے والوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ رنگاناتھن کے بتائے ہوئے ان اصولوں کو اپنی جستجو اور مطالعہ کی روشنی میں مزید وسعت اور گہرائی عطا کریں۔

ترقی یافتہ ممالک میں لائبریرین کو سماج میں کافی عزت اور اہمیت حاصل ہے۔ ہندوستان میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) نے لائبریری کو ایک ٹیچر اور آفیسر کی ذمہ داریاں دی ہیں اور کافی مراعات سے نوازا ہے۔ اس میں بھی پروفیسر رنگاناتھن کا اہم رول ہے۔

لائبریری سائنس کی پڑھائی کے لئے بی ایل ایس سی، ایم ایل ایس سی، ایم فل

اور پی ایچ ڈی کی سطح تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ نیشنل ایجوکیشنل ٹیسٹ (NET) کا امتحان پاس کرنا بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ لائبریری کی کامیابی اور ہر دلعزیزی اس سے جڑے ملازمین کی صلاحیت، کارگزاری اور ایمانداری پر منحصر ہے۔ لائبریری کے ذرائع میں کمی ہونے پر بھی باصلاحیت عملہ کے ذریعہ طالبان علم کی علمی تشنگی دور کرنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ تشفی بخش خدمات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ اعلیٰ قسم کی لائبریری کی ضرورت سب سے اہم ہے۔ کتب خانے کی اہمیت اس کی عالیشان عمارت، دلکش ساز وسامان اور ملازموں کی تعداد پر نہیں بلکہ اعلیٰ، عمدہ اور دلکش کتابوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ اصل میں کتابیں ہی کسی کتب خانے کی بنیاد ہوتی ہیں۔

ہر قسم کے قاری کی تسکینِ طبع کے لئے کسی بھی لائبریری میں مختلف مضامین کی فائدہ مند اور صحت مند اشیائے مطالعہ (کتابیں، اخبار، رسائل) وغیرہ کا انتخاب کرنا اور انہیں حاصل کرنا ہر کتب خانے کا لازمی امر ہے۔ لائبریری سروس کی کامیابی اور ناکامیابی خاص طور سے کتابوں پر ہی منحصر ہے۔ اس لئے کتابوں کا صحیح انتخاب کرنا اور انہیں حاصل کرنا ایک پیشہ ور لائبریرین کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اعلیٰ و عمدہ اشیائے مطالعہ کا انتخاب، ایک تجربہ کار، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ لائبریرین ہی کرسکتا ہے۔ کسی بھی کتب خانے کی اہمیت کا اندازہ اس کے کتابی ذخیرہ کے بنیاد پر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ لائبریری کی ترتیب و تنظیم خواہ کتنی ہی عمدہ ہو، عمارت خواہ کتنی ہی عالیشان ہو، اگر وہاں اچھی کتابوں کا ذخیرہ نہیں ہے تو سب کچھ بے کار ہے۔ طالب علم اور کتابیں بجلی کے نگیٹو (Negative) اور پازیٹو (Positive) تار کی طرح ہیں جس میں برابر تعلق بنائے رکھنے سے ہی لائبریری سروس کو زندہ رکھا جاسکتا ہے۔ اس تعلق کو بنائے رکھنے کی ذمہ داری لائبریرین اور وہاں کے دیگر ملازمین کے کاندھوں پر ہے۔

یہ بات یہاں کہنا مناسب ہے کہ پروفیسر رنگاناتھن نے جدید لائبریری سائنس کے سارے پہلوؤں پر محققانہ کام کر کے اس علم کی جہتوں کو وسعتیں بخشیں اور آج ان کے

تحقیقی کام کر مزید آگے بڑھانے کے لئے اعلیٰ سطح پر ریسرچ ہو رہی ہے تا کہ دنیا سے جہالت کا اندھیارا کافور ہو اور علم و آگہی کا اُجالا ہر سو پھیلے۔اس وقت کی دنیا میں ہر سطح پر علم کا جو پرچار ہو رہا ہے وہ انسانی تہذیب کی بقا اور فروغ کی ایک زندہ علامت ہے۔اسی حقیقت کو اُجاگر کرنے کے ضمن میں لائبریرین ڈے منایا جانا لازمی ہے تا کہ کتابوں کی خواندگی کا شوق ہی پروان نہ چڑھے بلکہ اس پیشے سے جڑے لوگوں کی کارکردگی میں مزید نکھار آئے۔ لائبریری سائنس کی انتھک خدمت کرنے کے بعد آخر کار پروفیسر رنگاناتھن 1972 میں 27 ستمبر کو انتقال کر گئے اور ہندوستان ایک اہم علمی شخصیت کو کھو بیٹھا۔اس وقت مغربی مما لک سے لے کر ہندوستان تک میں ان کی موت پر رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔۱۲/ اگست کو انہیں پھر ایک بار مختلف تقاریب کے ذریعے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس بات کا عزم کیا جارہا ہے کہ کتب بینی کو سماج میں ایک باعزت مقام دلانے کی جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔

(بحوالہ کشمیر عظمیٰ ۱۱/اگست ۲۰۱۲)

............☆☆☆............

☆......محمد شریف قریشی

ہم اور ہمارے اسلاف

اپنے اسلاف سے وراثت پانا خوش قسمتی ہے اس کو گنوانا خود سے اور اپنے اسلاف سے ایک بڑا ظلم ہے، ظلم کا ایک خاص معنی ہے ''ہو تصرف فی ملک الغیر'' (غیر کی ملک میں تصرف کرنا) یا کسی چیز کو غیر کے محل میں رکھ دینے کے ہیں، ٹوپی سر پر رکھنے کیلئے ہے اگر کوئی پیر میں پہن لے بڑا ظلم ہے۔ ہم اپنی وراثت سے یہی ظلم کرتے ہیں ہماری سب سے بڑی وراثت علم ہے، اسلام پہلا دین ہے جس نے علم حاصل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے بلکہ اس کو فرض بنایا ہے۔ اسلام کی اس دعوت کو اہلِ اسلام نے بڑی گرمجوشی سے لبیک کہا اور مطالبہ کتب میں محو ہو گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوب لکھا ہے کہ ''مطالعہ کتب سے زیادہ کوئی مخلص دوست نہیں جو ہمیشہ بے ضرر ساتھی بنا رہتا ہے''۔ اس ذوقِ مطالعہ کے پس منظر میں سکندر نے اپنے کتب خانہ کا نام ''معالج روحانی'' رکھا تھا۔ حتیٰ کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ''مطالعہ انسان کے اخلاق کا معیار ہے'' کارلائل لکھتا ہے ''کتاب دماغ کے لئے ایسی ہی ضرورت ہے جیسے جسم کے لئے غذا''۔ حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مطالعہ کتب انسان کو حیاتِ فانی میں عزت اور حیاتِ دوامی میں ابدی سکون بخشتا ہے۔ ہمارے اسلاف اور گذشتہ زمانوں کے اہلِ حضرات اسی ذوق مطالعہ سے آسمانِ علم تک پہنچے تھے۔ اور آسمانِ علم سے شمس وقمر کی طرح ضیا پاشیاں کرتے رہے تھے پس علمی کمالات کا اصل مطالعہ ہے، حکیم جالینوس نے ایک بار اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کی حکمت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے کتب بینی کے لئے زیادہ خرچ کیا ہے جتنا آدمی زندہ رہنے کے لیے خوردونوش

پر خرچ کرتا ہے۔

پس ہمارے باکمال اہلِ علم کا ذوقِ مطالعہ اور شوقِ تصنیف سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مقصدِ حیات صرف یہ تھا کہ علم میں کمال حاصل کیا جائے ''خفیہ رپورٹ جولندن بھیجی گئی تھی اس میں کہا گیا تھا کہ تعلیم یافتہ مسلمان منطق اور فلسفہ کا اس قدر ماہر ہیں کہ انگلستان کا گریجویٹ ان کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔''

اس لئے اپنے اسلاف کے ذوقِ علم اور شوقِ مطالعے کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں تاکہ ہمیں اپنی علمی کم ظرفی اور آوارہ گردی کا پتہ چلے۔

جس انسان نے علم کے امانت کو بطور خزانہ محفوظ رکھ دیا ہے اس کو باہر نہ نکالا وہ بھی ایک ظلم ہے۔ مطالعہ سے ان صلاحیتوں سے علم اور حکمت کے نوادرات کو اجاگر کیا جاسکتا ہے کس طرح ہم ان قدرتی خزائن کو لہو ولعب میں ضائع کرتے ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ جب وہ صرف سولہ برس کے تھے انہوں نے ابن مبارکؒ اور وکیع کی کتابیں یاد کی تھیں ان کا ارشاد ہے کہ کثرتِ مطالعہ حفظ کی دوا ہے۔''

حضرت امام طبریؒ کی وسعتِ مطالعہ کا یہ حال تھا کہ تیس برس سے بستر کا لطف نہ اٹھایا تھا، حضرت امام رازیؒ کے مطالعہ کا حال یہ تھا کہ کھانے کا وقت بھی شاق گذرتا تھا، حضرت جاحظ بصریؒ مشہور امام ہیں آخرِ عمر میں مفلوج ہو گئے تھے لیکن پھر بھی مطالعہ میں منہمک رہتے تھے، ایک دن ان پر کتابیں گر پڑیں اور وہ ان کے نیچے دب کر جاں بحق ہو گئے۔ حضرت ابن رشد فرماتے ہیں کہ ان کی تمام زندگی مطالعہ میں گذری ہے صرف دو راتیں ایسی گذری کہ وہ مطالعہ نہ کرسکے، ایک رات شادی کی اور دوسری رات والدہ کی وفات ہوئی، حضرت ابن جوزیؒ کا کہنا ہے کہ مجھے مطالعہ کا شوق بچپن سے تھا اور تقریباً بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا۔

ہمارے اسلاف کی تصنیفی کارنامے بھی کم نہ تھے۔ ذوقِ تصنیف شوقِ مطالعہ کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے تصانیف بھی قابلِ فخر ہیں جنکی تعریف دوسرے اقوام نے بھی کی ہے۔

حضرت یحیٰ بن معینؒ نے فرمایا میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ حضرت امام محمدؒ کے تالیفات کی تعداد ایک ہزار تک بیان کی گئی ہیں، حضرت امام ابو یوسفؒ امافقہ ہیں ان کی تالیفات کی تعداد ۵۵ ہیں،۔ حضرت امام رازیؒ کی تصنیفات وتالیفات اَسّی ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ کی تصنیفات کی تعداد ۷۸ ہیں صرف امام بخاریؒ کی تصنیفات کی تعداد ۲۲ ہیں صرف بخاری شریف میں دس ہزار حدیثیں ہیں ہر ایک حدیث لکھتے وقت دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کی پوری زندگی علم کی خدمت میں گذری نظر بندی کے دوران منتشر اوراق پر کوئلوں سے لکھنا شروع کیا کوئلوں سے مسودات کی تعداد ۶۰ جلدوں سے زائد تھیں۔ حضرت ابن جوزی نے دوسو پچاس کتابیں لکھیں، وصیت کی تھی کہ جن قلموں سے میں نے حدیثیں لکھی ہیں ان کے تراشوں سے غسل میں میت کا پانی گرم کیا جائے۔ یہ تھا ہمارے اسلاف کے مطالعے اور تصانیف کا حال۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ ظہورِ اسلام کے وقت علم کہیں عام نہ تھا۔ عربی زبان میں کوئی کتاب موجود نہ تھی لیکن اہلِ شوق نے تصانیف کا ایسا سیلاب لایا کہ ”لوسیر لیبان کو کہنا پڑا کی یورپ کی یونیورسٹیاں چھ سو برس تک عربی کتابوں کے متراجم پر زندہ رہیں۔

بحوالہ آفتاب: ۵/مئی ۲۰۱۰

...........☆☆☆...........

☆......غلام نبی کشافی

کتب بینی
مطالعہ علمی کمالات کی شاہ کلید

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی بھی معروف اور عبقری صفات کی حامل شخصیت کے علمی وفکری کمالات کی بنیاد کثرتِ مطالعہ پر ہوتی ہے بلکہ علمی شخصیات کے لئے کثرتِ مطالعہ روحانی خوراک کے مانند ہوتا ہے۔ اسلام نے اپنے آغاز ہی سے حصول علم کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ ''اقراء'' آیا ہے جو امر کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی پڑھو کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتب بینی علم حاصل کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس حقیقت کو شاعر نے بڑی خوبی کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے۔

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ
ہے چشمِ دل کے واسطے کاجل مطالعہ
دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل مطالعہ
کرتا ہے آدمی کو مکمل مطالعہ

جب آدمی کو لکھنے کا ملکہ اور سلیقہ آتا ہے اس کے پیچھے بھی کثرتِ مطالعہ ہی کارفرما ہوتا ہے کیونکہ جب تک زبان وادب پر کامل عبور حاصل نہیں ہوگا، اس وقت تک کسی موضوع پر بولنا اور لکھنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ کثرتِ مطالعہ آدمی کو الفاظ کی ایک وسیع دنیا بہم کرادیتی

ہے اور جن مصنّفین کی کتابوں اور تحریروں کا وہ مطالعہ کرتا ہے، ان کا اسلوبِ تحریر اور جملوں کی ساخت اور بناوٹ بار بار دیکھنے اور پڑھنے سے اس کے اندر بھی آہستہ آہستہ لکھنے اور پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ کوئی آدمی سطحی چیزیں پڑھنے سے راتوں رات قلمکار نہیں بن سکتا ہے۔

بہت سے لوگ خود کتابیں خریدتے نہیں بلکہ مستعار اور اُدھار کی کتابیں پڑھ کر انہیں واپس لوٹا دیتے ہیں لیکن یہ کوئی علمی اور مفید مطالعہ نہیں کہلاتا ہے کہ گہرا مطالعہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب اپنے پاس بھی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہو، چونکہ جب عاریتاً لی ہوئی کتابیں پڑھنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر ایک کتاب کا ایک ہی بار مطالعہ کرنا ممکن ہوتا ہے اور پھر اسی طرح سطحی اور ناقص مطالعے سے علم میں کسی طرح کا کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ علماء اور اہلِ دانش نے بعض اوقات ایک ایک کتاب کو سو سو بار پڑھا ہے۔ اسی لئے ان کا ہمیشہ معمول رہا ہے کہ وہ کتابیں اور مضامین لکھنے بیٹھتے ہیں۔

مطالعہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مطالعہ محض وقت گذارنے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ بامقصد ہو اور جن کتابوں کو مطالعہ کیلئے خریدا گیا ہو ان کو صاف ستھرا رکھنا اور ان کے مطالعہ کے دوران دائیں بائیں کا انگوٹھا اور شہادت کی انگلی منہ میں ڈال کر تر کر کے کتاب کے اوراق کو الٹ پھیر نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے، اس سے نہ صرف کتاب کی خوبصورتی متاثر ہوتی ہے بلکہ اس سے کتاب کے اوراق سیاہ اور بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور پھر کتاب جلد پھٹنے اور کٹنے لگتی ہے۔ کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

گر کتابیں ہو گئیں میلی تو کیا پڑھنے کا لطف
کام کی چیزیں جو ہیں ان کی حفاظت چاہئے

مطالعے کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اچھی صاف، ستھری اور معیاری کتابوں کا انتخاب کیا جائے کیونکہ علم دوست انسانوں کو معیاری کتابوں سے گہرا عشق ہوتا ہے۔ وہ ہر قیمت

پراس طرح کی کتابوں کو حاصل کرتے اور انہیں حرزِ جان بناتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ معیاری کتابیں ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو ہر وقت ان کے علم میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہے۔

تعلیم کی کمی کے سبب اور بہت سے گھرانوں میں علمی ماحول نہ ہونے کی وجہ سے پڑھے لکھے لوگوں کو مطالعہ کرنے کے لئے بڑی بڑی دقتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص کر جب ایک آدمی کی بیوی بے ذوق ہو تب تو معاملہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ کہتے ہیں بے ذوق عورت کی نظر میں کتاب ایک نقصان دینے والی سوکن ہوتی ہے اور اس کی کوشش اور خواہش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ اپنے شوہر کی گھر کی تمام کتابیں گھر سے باہر نکال کر ان کو فروخت کر دے لیکن اب وہ صورتحال نہیں رہی ہے۔ اب تو عورتیں بھی علمی میدان میں آگے بڑھ رہی ہیں اور وہ بھی مطالعہ اور کتب بینی میں یقین رکھنے لگی ہیں بلکہ اگر موجودہ دور کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج کل جو امتحانی نتائج کی صورتحال منظر عام پر آتی رہتی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیاں میدان مار لیتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اب لڑکیوں میں پڑھائی اور حصولِ علم کی لگن اور تڑپ زیادہ پائی جاتی ہے اور محنت بھی زیادہ وہیں کرتی ہیں جو کہ لڑکیوں کے لئے بلاشبہ خوش آئند ہے مگر لڑکوں کے لئے افسوسناک۔

یہاں ایک گمبھیر مسئلہ یہ بھی ہے کہ تعلیمی میدان میں چاہے لڑکے آگے بڑھ رہے ہوں یا لڑکیاں میدان مار لیتی ہیں مگر مجموعی طور پر نتیجہ ایک ہی سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب ایسے لوگ روزگار کمانے میں لگ جاتے ہیں تو پھر آگے ان کا مطالعہ و تحقیق اور کتب بینی کا سفر یک لخت ختم ہو جاتا ہے اور ان کا کتابوں کے ساتھ برائے نام رشتہ رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد پھر کوئی اچھا علمی اور فکری مقام حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ شاید علامہ اقبالؒ نے اسی طرح کی صورت حال پیش نظر یہ رکھ کر فکر انگیز اور غور طلب اشعار کہے ہوں گے ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے

کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اس لئے جو لوگ تعلیمی اسناد حاصل کرنے کے بعد مطالعہ و تحقیق جاری رکھتے ہیں، اصل میں وہی لوگ قوم و ملت کو کچھ دے پاتے ہیں۔ اسی لئے کتابوں کے ساتھ تعلق اور لگاؤ گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا اپنے علم اور فہم میں اضافہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ دانش اور اربابِ علم کی نظر میں کتاب بہترین ہمسفر اور مددگار دوست کی طرح ہوتی ہے۔ اگر ان کو تنگدستی بھی ہو تو وہ بھوکا پیاسا رہنا تو برداشت کر لیتے ہیں لیکن کتاب سے دوری یا مطالعہ کو چھوڑنا برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے مشہور مفسر قرآن علامہ زمخشری نے بہت خوب فرمایا ہے کہ تاجر کی عظمت اس کی جیب میں اور عالم کی عظمت اس کی کتاب میں ہوتی ہے۔

علم اور کتاب سے دوستی علم نواز انسان کی فطرت میں شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم دوست انسانوں کا ذوقِ مطالعہ انہیں کتابیں جمع کرنے میں بے دریغ دولت صرف کرنے پر اُبھارتا ہے کہ جن لوگوں کے ذرائع آمدنی بہت ہی محدود ہوتے ہیں لیکن مطالعہ اور کتب بینی کے بھی شوقین ہیں تو پھر وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ایک مخصوص رقم بچا بچا کر اسے کتابوں کی خریداری پر صرف کریں تا کہ وہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر کے علم کی پیاس بجھا سکیں۔

مطالعہ کے لئے کوئی وقت یا کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی ہے کہ مطالعہ کہیں سے بھی اور کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے سفر و حضر میں بھی مطالعہ کو نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اسے وظیفۂ حیات اور روحانی خوراک کے طور پر لیا ہے۔ بلکہ مطالعہ کا یہ سلسلہ ان کے موت کے ساتھ ہی منقطع ہوا۔ مطالعہ کی اہمیت اہل علم کے یہاں کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ پروفیسر آرنلڈ کے اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے جسے علامہ شبلی نعمانی نے اپنے ایک سفرنامہ میں لکھا اور جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے تھے لیکن دوسرے ہی دن ایک پُر خطر واقعہ پیش آیا، جس نے تھوڑی دیر تک مجھ کو پریشان رکھا۔ صبح کو جب میں سو کر اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کا ملازم گھبرائے ہوئے تھے اور اس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے، انجن بالکل بے کار ہو گیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا، میں سخت گھبرایا اور بُرے خیالات دل میں آنے لگے۔ اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا، دوڑتا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا، وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ بولے ہاں، انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں؟ بھلا یہ دیکھنے کا کیا موقع ہے؟ فرمایا کہ اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قابلِ قدر ہے اور ایسے قابلِ قدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے۔ ان کے استقلال اور جرأت سے مجھ کو بھی اطمینان ہوا، آٹھ گھنٹے بعد انجن درست ہوا اور جہاز بہ دستور چلنے لگا۔'' (سفر نامہ روم و مصر، ص 14)

اسلامی دنیا میں کتب خانوں کی ترقی کا ایک زبردست راز یہ تھا کہ مسلمان کتابوں سے والہانہ لگاؤ اور محبت رکھتے تھے۔ ہر اسلامی ملک میں تحصیلِ علم، مطالعۂ کتب اور تالیف وتصنیف اور کتابوں کے ذوق و شوق کا دریا موجزن تھا، علم وفن کی اشاعت کرنا قومی وملی شعار بن گیا تھا اور کتابیں جمع کرنے کا شوق ہر شخص کے دماغ میں سمایا ہوا تھا۔ ہر خاص و عام کے دل میں کتاب پڑھنے، پڑھانے اور کتاب تصنیف کرنے والوں کی عظمت و بزرگی کا احترام ہوتا تھا اور وہ بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے بلکہ اگر اندلس کی تاریک پر نظر ڈالی جائے تو وہاں ان پڑھوں اور کم علم رکھنے والوں میں بھی کتابیں جمع کرنے کا شوق پایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا تقی عثمانی نے اپنے ایک سفر نامہ میں ایک شخص کا ایک دلچسپ واقعہ ان الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔

''مجھے ایک نادر کتاب کی ضرورت تھی، میں اس کی تلاش میں قرطبہ آیا اور کتابوں

کے سارے بازار چھان لئے۔ بالآخر ایک جگہ کتابوں کا نیلام ہو رہا تھا، وہاں مجھے وہ کتاب مل گئی جس کی مجھے ضرورت تھی۔ میں اسے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑا اور اسے حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بولی لگانی شروع کردی لیکن جونہی میں کوئی بولی لگاتا ایک دوسرا شخص اس سے آگے بڑھ کر بولی لگا دیتا۔ ہوتے ہوتے اُس شخص نے اتنی قیمت کی بولی لگا دی کہ وہ حد سے زیادہ تھی، میں نے نیلام کرنے والے سے کہا کہ ذرا مجھے اس شخص سے ملاؤ جو یہ حد سے زیادہ بولی لگا رہا ہے۔ اس نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو اپنے لباس سے کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس سے جا کر کہا کہ آپ کوئی بڑے فقیہ معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عزت میں اضافہ کرے، اگر واقعتاً آپ کو اس کتاب کی ضرورت ہو تو میں آپ کے حق میں دستبردار ہو جاتا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا، میں کوئی فقیہ نہیں ہوں بلکہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کتاب میں کیا ہے؟ لیکن میں نے بڑی محنت سے اپنے گھر میں ایک کتب خانہ بنایا ہے جو شہر کے شرفاء میں کوئی مقام پا سکے۔ ایک الماری میں تھوڑی سی جگہ خالی ہے جس میں یہ کتاب سما سکتی ہے۔ اس کتاب کی جلد بھی بہت خوبصورت ہے اور تحریر بھی بہت حسین ہے، اس لئے میں اُس جگہ کو پُر کرنے کے لئے یہ کتاب خریدنا چاہتا ہوں۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ بادام اُس شخص کو مل رہا ہے جس کے منہ میں دانت نہیں۔
(اندلس میں چند روز ص 27)

لیکن موجودہ دور کے اَن پڑھوں یا علم و ہنر کے نا آشنا لوگوں کو تو چھوڑیئے بلکہ پڑھے لکھے لوگ بھی نہ کتابیں خریدنے کا شوق رکھتے ہیں اور نہ ان میں مطالعہ و تحقیق کا ذوق نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کمپوٹر کی ایجاد اور بہتات سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ہاتھوں میں قلم اور کتاب چھین لی گئی ہے۔ وہ کمپیوٹر کے ساتھ اتنا زیادہ وقت گذار دیتے ہیں کہ ان کو کتابیں دیکھنے اور پڑھنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا ہے اور دوسرا یہ کہ مادیت کی ہوس اور مال و دولت کی بہتات نے ہمارے قلب و ذہن پر اتنا زیادہ غلبہ اور اثر کر ڈالا ہے کہ اب ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا بھی آلہ ایجاد ہو جائے جو ہمیں

اخبارات اور کتابیں تک پڑھ کرسنا دے۔اس طرح موجودہ دور دونوں صورتوں میں علم کے زوال کا دور ہے۔اگر کچھ پڑھنے والے بھی ہیں تو ان کا مطالعہ بھی برائے نام اور یا پھر ان کا مطالعہ زیادہ تر اخبارات ورسائل تک ہی محدود رہتا ہے،اس سے آگے نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم اور کتاب کی قدر اور حفاظت اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم خود اپنے اندر کثرتِ مطالعہ کرنے کا شوق وذوق اور عادت ڈالیں اور اپنے بچوں میں بھی لایعنی چیزوں اور کھلونوں کے مقابلے میں بھی اچھی اور معیاری کتابوں کی خریداری اور مطالعہ کرنے کی رغبت، تڑپ اور شوق پیدا کریں۔اگر خدانخواستہ ہم نے اس طرح کتب بنی اور مطالعہ کے ساتھ لاتعلقی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا تو وہ وقت زیادہ دور نہیں کہ جب کتابیں دستیاب تو ہوں گی مگر ان کا مطالعہ کرنے والا ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علمی کتابوں کے سرمایہ کی حفاظت اور ان کا حقیقی مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔صحیح کہا ہے شاعر نے۔

ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق وشوق سے
کرتے نہیں ہیں احمق واجہل مطالعہ
ناقص وہ تمام عمر رہتے ہیں علم سے
ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ
کھلتے ہیں راز علم کے انہیں کے قلوب پر
جو کرتے ہیں دل سے مسلسل مطالعہ

............☆☆☆............

☆......ظہور مسعودی

مطالعہ ومشاہدہ کتابیں بہترین دوست

علم کی ترقی اور مضبوط استعداد پیدا کرنے کے لئے مطالعہ وکتب بینی از بس ضروری ہے۔ یہ واقعی ایک حقیقت ہے جتنے بھی لوگ علمی میدان میں بامِ عروج پر پہنچے ہیں وہ مطالعہ کی راہ سے ہی گزر کر اس کمال پر پہنچے ہیں۔اس کے بغیر تحقیقی استعداد پیدا ہوسکتی ہے نہ علم میں کمال آسکتا ہے۔لہٰذا ہر اہلِ علم بلکہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مطالعہ وکتب بینی کو اپنے لئے لازم قرار دے، اسے اپنی زندگی کا اہم معمول بنائے، اسی سے علوم تازہ رہتے ہیں اور علم میں دن بدن ترقی ہوتی ہے بلکہ یہ کہتا چلوں کہ اہل علم کے لئے کتب بینی ایسے ہی ضروری ہے جیسے کھیتی کے لئے پانی۔ جیسے کھیتی یا فصل کے لئے پانی زندگی ہے ٹھیک اسی طرح مطالعہ کے بغیر علمی استعداد اور صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی جس طرح سمندر میں غوطہ لگانے والا اس کی گہرائیوں میں پہنچ کر قیمتی موتی حاصل کرتا ہے اسی طرح دریائے علم میں میں غوطہ لگانے والا یعنی مطالعہ کرنے والا علم وحکمت کے بیش قیمت گوہر اپنے دل و دماغ میں بھر لیتا ہے۔ مطالعہ وکتب بینی سے علم میں وسعت پیدا ہوتی ہے، ذہنی استعداد ٹھوس اور مضبوط ہوتی ہے۔ مطالعہ کرنے والے کی قوتِ فکر تیز ہوتی ہے اور علم کے دروازے کھلتے ہیں، بہت سی نامعلوم چیزیں معلوم ہوتی رہتی ہیں، تحقیق کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور لاعلمی دور ہوجاتی ہے۔ مطالعہ کرنے والوں کو ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی دولت و بادشاہت کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں جس کے بے شمار واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔
مطالعہ کرنے سے انسان عقلمند بنتا ہے، اسی کے شوق سے کتابوں کے سربستہ راز کھلتے ہیں اور

مشکل مسائل حل ہوتے ہیں، کتابوں کے معنی و مطالب پر عبور حاصل ہوتا ہے، ذہن کو ترقی حاصل ہوتی ہے اور انسان درجۂ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ مطالعہ کرنے والا علم کا آفتاب وماہتاب بن جاتا ہے اور انسانی معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے۔ مطالعہ کا ذوق ہی انسان کو خیالات کی اس بلند سطح تک پہنچاتا ہے جہاں سے وہ آسمانوں پر کمندیں ڈالنے میں بھی پیچھے نہیں رہتا اس لئے شاعر نغمہ زن ہے کہ

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ اس ربط خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

اس کے برخلاف جو اہلِ علم مطالعہ سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، ان میں استعداد پیدا نہیں ہوتی، ان کا علم ناقص رہتا ہے، تحقیق کا مادہ ان میں نہیں ہوتا ہے، سطحی باتیں ان کے نزدیک بہت ہی مشکل ہوتی ہیں، علمی نکات اور رموز سے محروم رہتے ہیں، ان کا دماغ وسعت نہیں پاتا بلکہ تعطل اور جمود میں رہتا ہے، معلومات محدود رہتی ہیں، اپنی اندرونی صلاحتیں اور علم وحکمت کے نوادرات اُجاگر نہیں کر سکتے، علم وفہم اور فکر ونظر سے خالی ہوتے ہیں، علمی سوسائٹی میں انہیں کوئی امتیازی مقام حاصل نہیں ہوتا اور انسان ترقی کے راز سے محروم رہتے ہیں۔ اس حقیقت کو شاعر نے بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے

ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق وشوق سے
کرتے نہیں احمق و اجہل مطالعہ
ناقص وہ تمام رہتے ہیں علم سے
ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ

عصرِ حاضر اگرچہ ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے جو کام مشکل ترین ہوا کرتے تھے وہ

آسمان بلکہ از بس آسمان میں تبدیل ہو گئے ہیں مگر مجبوراً کہنا پڑ رہا ہے کہ بُرا ہو جائے، اس ترقی کا جس نے ہمیں اصل مقصد سے جُدا کر دیا یا وہ ہم سے چھین لیا جس کا حکم وحی الاوّل بلکہ اس کے بھی اوّل لفظ میں ملتا ہے یعنی ''اقراء'' جو امر کا صیغہ ہے یعنی ''پڑھ''۔ اس پر جو مکمل عمل ہوا وہ اس کے آغاز سے لے کر تقریباً چھ صدیوں تک ہی برقرار رہا۔ ماضیٔ بعید میں جس جگہ کتاب ہوا کرتی اور جو قیمتی اوقات کتب بینی پر صرف کئے جاتے، آج کل ذاتِ باری تعالیٰ کی وہ از حد بہترین نعمت یعنی ''وقت'' طرح طرح کی فضولیات میں صرف کیا جا رہا ہے۔ میں یہ لکھتا چلوں کہ دورِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہؓ کا اور ان کے بعد تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا عمومی مزاج تحصیل علم دین کا تھا۔ یہ حضرات چاہے شہری تھے یا دیہاتی، زراعت پیشہ تھے یا تجارت پیشہ، امیر تھے یا غریب، مرد تھے یا خواتین غرض باوجود اپنے دن بھر کے کاروباری وغیرہ مشاغل کے بعد تحصیل علم کو نماز کی طرح فرض اور ضروری سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک سیکھنے سکھانے کی فکر ہر فکر پر مقدم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کوئی جاہل نہ تھا اور ہر شخص اپنی جگہ پر عالم یا طالب علم تھا۔

علمی ذوق وشوق اور طلب کا یہ حال تھا کہ ایک ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے عرب سے دمشق، مصر اور شام اور ان کے علاوہ دور دراز تک سفر کرتے تھے اور اتنی جدوجہد صرف اس لئے کی جاتی کہ حدیث پاک کو اس شخص کی زبان سے سنے جس نے براہِ راست حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ایسے ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں، سینکڑوں واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس امت کے آغاز کے بعد صرف دو تین صدیوں کے اندر یہ امت علم کے اس مقام پر پہنچ گئی کہ جس میں پوری دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں رہا اور علم میں یہ امت کمال کے مقام پر پہنچ کر پوری دنیا کی معلم اور استاد بنی اور اس نے اپنی اس برتری کو چھ صدیوں تک برقرار رکھا لیکن پھر ایسا دور آیا، حالات نے دوسری کروٹ لی کہ مسلمان عیش کوشی میں پڑ گئے۔ انہوں نے اپنی تحقیق وجستجو کا سفر روک دیا، دوسری طرف مغرب اپنی گہری نیند سے بیدار ہونے لگا اور مسلمانوں سے ہی حاصل کردہ علم سے فائدہ

اٹھانے میں مصروف ہو گیا حتیٰ کہ مغرب نے اشاعت کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا۔ رفتہ رفتہ ترقی نے ان کے قدم چومے اور رفتہ رفتہ اس کی مادی ترقی اور جدید سائنسی انکشافات نے پوری نسلِ انسانی کو متاثر کر دیا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسلمانوں نے اپنی چھ سو سالہ غیر معمولی علمی فروغ کی مدت میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ انسانی علوم وفنون کا کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جن پر مسلمانوں نے اپنے نقش نہ چھوڑے ہوں، حجازِ مقدس، مصر، شام، اندلس وغیرہ میں لاتعداد کتب خانے قائم کئے گئے۔ یہ سب کتب خانے صرف قلمی نسخوں کے بڑے ذخائر پر مشتمل تھے جبکہ اس دور میں پریس وغیرہ کی سہولیات بھی مہیا نہیں تھی مگر اس کے باوجود عالمِ اسلام کا کوئی بھی بڑا شہر ان کتب خانوں سے خالی نہیں تھا بلکہ بعض شہروں میں کئی کئی عوامی کتب خانے قائم تھے۔ ان میں بغداد کا کتب خانہ ''دارالحکمت'' مصر میں ''جامع ازہر''، دمشق، تیونس، مراکش اور اندلس وغیرہ میں یہ کتب خانے تھے۔ حضرت صلاح الدین ایوبیؒ کے عہد میں شام میں ایک شہر کے کتب خانے میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔

(بحوالہ کشمیر عظمیٰ سرینگر ۲۰ مارچ ۲۰۱۲)

............☆☆☆............

☆......معراج حبیب

زندگی میں ادب اور ادیب کی ضرورت

کیا زندگی میں ادب اور ادیب کی ہر وقت ضرورت ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کی اہمیت موجودہ حالات اور زمانے کے تقاضوں نے کافی حد تک بڑھا دی ہے کیونکہ عہدِ حاضر اپنی تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود روحانی اور اخلاقی زوال کا شکار ہے، جس کے ہوتے ہوئے زندگی کی شبِ تاریک سحر کرنے کے لئے مادی نہیں، روحانی ترقی، سائنسی کمال نہیں، جذباتی بلندی اور انسانی و معاشرتی قدروں کا شعور و احساس درکار ہے۔

جی ہاں! جس قوم یا معاشرے میں مہلک آلات و ہتھیار کی کثرت، پیسے کی فراوانی، ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لئے غیر اخلاقی حربوں کا استعمال اور مادی طاقت و وسائل کے بل پر کمزوروں کو اپنے زیرِ تسلط رکھنے کا رُجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہو، وہاں انسانیت کی بجائے حیوانیت اور محبت و رواداری کے بجائے ظلم و بربریت کا بازار گرم رہتا ہے۔ ایسے ماحول میں جب خود غرضی اور مادیت انسان کے ذہن پر چھا جائے اور علم کی روشنی مدھم پڑھنے لگے، ایسے میں ادب اور ادیب ایک بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ادب کا بنیادی مقصد ہی انسان کی ذہنی و اخلاقی، فکری و جذباتی اور معاشرتی و انسانی پہلوؤں کی ترتیب و تنظیم، اصلاح و بہتری اور صحیح سمت میں ان کی نشو و نما کرنا ہے۔

ادب نے ہمیشہ عصری تقاضوں کا ساتھ دیا ہے۔ دنیا بھر کے علاقوں کے ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرلیں، کسی بھی زبان کے ادب نے کبھی بھی ظلم و جبر کا ساتھ نہیں دیا۔ ادب نے ایک لمحے کے لئے بھی انسانی اقدار یا انسانی تذلیل کو برداشت نہیں کیا ہے وہ عالمی

جنگ کی ہولناکی ہو، قحطِ بنگال کی المناک اموات ہو، تباہ کُن زلزلے یا خطرناک سمندری طوفان ہوں یا پھر شرمناک فرقہ وارانہ فسادات۔ ان سب کے نقوش ادب میں لازمی ملیں گے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ادیب نہ صرف یہ کہ عہدِ حاضر سے باخبر رہتا ہے بلکہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ادب تخلیق کرتا ہے اور اپنے اِرد گرد رونما ہونے والے ہر المیے سے اس حد تک متاثر ہوتا ہے کہ اسے اپنے دِل و جان میں سمو لیتا ہے اور جب اس کا دل چھلنی ہو جاتا ہے تو وہ کسی بھی وقت خون تھوکنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو رائیگاں نہیں جاتا بلکہ کوئی نہ کوئی ایسی تاریخ رقم کر جاتا ہے جو ادب کی تاریخ میں زندہ و تابندہ رہتا ہے۔

بلاشبہ ادب زندگی کا آئینہ ہوتا ہے اور اس میں ہم زندگی کو اپنی تمام تر وسعت و تبدیلیوں کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ ادب کا مقصد ہی زندگی کے اصل خدوخال کو واضح کرنا، اس کی تمام تر کیفیتوں کو اُجاگر کرنا اور اُسے بہتر راستے کا نشان دکھانا ہے۔ ادیب بیک وقت مصلح کا کام بھی انجام دیتا ہے اور رہنما کا بھی، واعظ کا فریضہ بھی ادا کرتا ہے اور مسیحا کا بھی، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو قومیں اپنے ادب سے رشتہ استوار نہیں رکھتیں، اپنی قدروں اور روایات کی عظمت کو یاد نہیں رکھتیں اور اپنے ادیبوں، شاعروں اور اہلِ علم کی تخلیقات سے اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کی نمو نہیں کرتیں، وہ نہ صرف پستی و جہالت کے اندھیروں میں گُم ہو جاتی ہیں بلکہ معاشرتی و فکری زوال سے بھی محفوظ نہیں رہتیں۔

بے شک انسانی جذبات اور احساسات کو سمجھنا مشکل فن ہے لیکن ایک اچھا ادیب، سچا نقاد و مفکر انسانی نفسیات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اچھا ادیب ہی اچھے ادب کی تخلیق کرتا ہے۔ ادب کا تعلق براہِ راست انسانی زندگی سے ہوتا ہے اور ادیب کا تعلق بھی انسان سے ہوتا ہے۔ جو ادیب جس کسی معاشرے میں زندگی گذارتا ہے وہ اُسی معاشرے کا ادبی حوالہ بنتا ہے، البتہ ادیب کا رحم دِل اور انسان دوست ہونا انتہائی اہم ہے، ادیب جب تک انسان دوست اور رحم دِل نہ ہو، وہ اچھا ادب تخلیق نہیں کر سکتا اور اچھے ادب کا پہلا حوالہ انسان ہے اور انسانیت قابلِ احترام۔ مغربی مفکر آرنلڈ کا کہنا تھا کہ "تخلیقی قوت کا استعمال

اور آزاد تخلیقی سرگرمی ہی انسان کا صحیح منصب ہے، تخلیق ہی سے انسان حقیقی خوشی حاصل کرتا ہے۔" یہ بات کسی حد تک درست کہی جاسکتی ہے کیونکہ انسانوں کے مزاج کی طرح اُن کے مسرت حاصل کرنے کے ذرائع بھی مختلف ہوتے ہیں، مثلاً کوئی شخص 'عبادت' میں سچی خوشی پاتا ہے تو کوئی 'سیاحت' میں، کوئی تخلیقات کے مطالعے سے تازہ دَم ہوجاتا ہے تو کوئی فنِ خطابت کے ذریعے دِل کی بات زبان سے کہہ کر سکون محسوس کرتا ہے اور کوئی فرد خدمت خلق میں روحانی آسودگی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ایک سچا اہلِ علم دراصل یہ تمام کام بیک وقت انجام دیکر طمانیت حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کا کام رہبری اور سچائی ہے جو کہ عبادت ہے۔ لہٰذا سچا اور غیر جانبدار ادیب اور نقاد بالواسطہ خدمتِ خلق کا فرض بھی انجام دیتا ہے، کبھی جھوٹ، چاپلوسی اور خود غرضی کی بیساکھیوں کا سہارا نہیں لیتا اور ہر حال میں اپنی پیش قدمی جاری رکھتا ہے اور اپنا حصولِ مقصد پالیتا ہے۔

ظاہر ہے ادب وشعر میں انسان کی زندگی اور اس کے وجود کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے خواہ کوئی بھی عہد ہو اور کیسے ہی حالات ہوں، انسان زندگی بسر کرنے کے لئے جس کیفیت اور جس صورت حال سے نبرد آزما رہتا ہے اُس کو ادیب اور شاعر کُلی طور پر خوبصورت اور موثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ زندگی کے روشن، مثبت اور خوبصورت پہلوؤں کو بھی اُجاگر کرتا ہے۔ الغرض ادب کا زندگی سے اور زندگی کا ادب سے بہت گہرا اور براہ راست تعلق ہے۔ اگر ادب کے سوتے زندگی سے پھُوٹتے ہیں تو زندگی میں جمالیاتی ذوق ادب ہی کا مرہونِ منت ہے۔ ادب زندگی کی وہ خوبصورت اور موثر تصویر پیش کرتا ہے کہ پڑھنے والا اس ادب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر ادب کی تخلیق اور مطالعے کا ذوق ختم ہوجائے تو زندگی ایک مشینی اور میکانکی چیز ہوکر رہ جائے، اردو کا فسانوی ادب ہو یا شعری ادب۔ ہمیں بے شمار ایسی تخلیقات نظر آتی ہیں جو انسان کو تنہائی کے لمحات میں بے شمار رفاقت کا احساس فراہم کرتی ہیں۔ ماہ وسال کی گردشیں، وقت اور زمانے کے حالات وتغیرات اور معاشی ومعاشرتی، سیاسی اور نفسیاتی عوامل کس طرح زندگی کے چہرے کو مُرجھا

دیتے ہیں اور کس طرح مایوسی کا زہر اس کی رگوں میں اُتار دیتے ہیں۔ ہر شخص پر بخوبی واضح ہے، ایسے میں ادب اور ادبی تخلیقات مسیحا بن کر زندگی کے مضمحل وجود میں اُمید اور رنگ و نور کی لہر اور پژمردہ جسم میں اُمنگ وولولے کا احساس جگا دیتی ہے۔

بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں ادب کی وہ اہمیت اور قدر ومنزلت نہیں رہی جو ہونی چاہئے تھی۔ ادیبوں، شاعروں کو معاشرے میں وہ مقام نہیں رہا جس کے وہ مستحق ہیں، پہلے لوگوں میں ادب سے رغبت اور کُتب بینی کا ذوق تھا لیکن اب زندگی کی مصروفیات اور معاشی تگ ودو کے بعد فرصت کے جو اوقات اُسے ملتے ہیں وہ ٹیلیویژن اور اس کے بے شمار رنگا رنگ چینلوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ادب فہمی، ادب شناسی اور ادب نوازی کا جو فقدان ہو رہا ہے اُس سے صورت حال اخلاقی وروحانی زوال، فکری وذہنی پستی کی علامت بن رہی ہے۔ ادب سے دوری اور عدم دلچسپی ہی کا نتیجہ ہے کہ معاشرے میں روز بروز مادی قدروں کو فروغ مل رہا ہے۔ فرقہ ورایت کے تباہ کُن رُجحان کو تقویت مل رہی ہے۔ معاشرتی اور انسانی قدروں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ آج کے بگڑے ہوئے معاشرے اور مسایل سے اُلجھی ہوئی زندگی کو شعر وادب کے سہارے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ادب ہی ہے جو انسان کو انسان سے قریب لاتا ہے۔ محبت، مروت اور باہمی یکجہتی کو فروغ دیتا ہے، زندگی کو جذبوں کی سچائی اور احساسات کی پاکیزگی سے پُرنور کر دیتا ہے اور انسانی ومعاشرتی قدروں کو اُجاگر کرتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔

آج کے دور میں سیاسی ومعاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ تخلیق کار بھی اپنا چولا بدلتے رہتے ہیں جسے آج کی اصطلاح میں ادبی ہارس ٹریڈنگ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ تجربہ صراحتاً بتاتا ہے کہ ہوا کا رُخ دیکھ کر نظریات کی تعمیر وتشکیل، ادب، ادیب اور قاری سب کے لئے نقصان دہ ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ معاشرتی زندگی میں سب سے زیادہ دگرگوں حالت سچے ادبی تخلیقی کار کی ہوتی ہے جبکہ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ حکومت تخلیق کاروں کی فلاح وبہبود کے لئے جو بھی منصوبے پیش کرتی رہتی ہے اُن سے اگر اوپر کی سطح پر

بعض لوگ فائدے بھی اُٹھاتے ہیں مگر باہنر اور کھرے ادبی تخلیق کار کا ہاتھ کبھی کسی کے سامنے دراز نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ خوشامدی اور خودغرضی کے آگے سرخم ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بیشتر ادبی جرائد دم توڑ چکے ہیں اور جو باقی ہیں ان پر نزع کا عالم طاری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں ادبی جرائد کی جگہ مخرب اخلاقی ڈائجسٹوں نے لے لی ہے اور اس طرح جہاں معاشرے سے ادب کے فروغ کے ذرائع ختم ہوتے جارہے ہیں وہیں غیر اخلاقی اور غیر معیاری روایات جنم لے رہی ہے اس پس منظر اور پیش منظر میں دانشوروں، ادیبوں، نقادوں، شاعروں اور اہل علم تخلیق کاروں پر کیا یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آج کے زمانے میں معاشرے میں ہر طرف سے پھیلی ہوئی افراتفری کو مدنظر رکھ کر جتنا ممکن ہوسکے اپنا فرض ادا کریں تاکہ اُن کا اپنے قلم سے رشتہ نہ ٹوٹنے پائے اور وہ بہترین معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں اپنا بنیادی کردار ادا کرتے ہوئے اُن شخصیات کی روح کو تسکین پہنچائیں جنہوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے سماجی انقلاب لائے ہیں اور جن کے شعروں نے انسانوں کی زندگیاں بدل ڈالی ہیں۔ اہلِ قلم نے ہمیشہ دُکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا ہے جبکہ یہ طے ہے کہ ادب کو سماج سے ہرگز الگ نہیں کیا جاسکتا، سچا اور پکا ادب نہ صرف زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے بلکہ عوام کا شعور بیدار کرکے علم وآگہی کے چراغ بھی روشن کرتا ہے اور دنیا بھر میں تخلیق کیا جانے والا ادب انسانیت کا درس دیتا ہے۔

(بحوالہ آفتاب سرینگر، ۹ دسمبر ۲۰۱۱)

...........☆☆☆...........

☆......زیڈ جی محمد

احوالِ وطن پہ ایک اور ناول......
کاردار کے گفتار میں کشمیر جھلکتا ہے

بے ریائی سے بے آمیز سچ بولنا اور بولنا نہایت ہی مایوس کن ہے اور وہ بھی اُس وقت جب اہلِ نظر ادیب، مصنفین اور شعراء مصلحت آمیزی کا شکار ہوں اور اپنے ہم وطنوں کے لئے دردمندانہ نغمہ خوانی سے ناکام ثابت ہوئے ہوں۔ البتہ حال ہی میں میرا نہ ظن وتخمین پختہ یقین میں بدل گیا کہ ہمارے ادبی منظر پر نا اُمیدی کے گھرے بادل چھٹتے جا رہے ہیں اور اب اپنے طور پر ادبی نشاۃ الثانیہ کی دہلیز پر پہنچ گئے ہیں۔ کشمیر کے ادبی خزینے میں ایک کے بعد ایک قابل قدر کتاب کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ہر کتاب میں لوگوں کی کہانی ان کی اپنی زبانی بیان ہوتی ہے۔

کوئی دو یا تین ہفتے قبل سرینگر میں شفع احمد کا ناول "The Half Widow" کا شاندار اجراء کیا گیا جس میں ان سینکڑوں کشمیری خواتین کی دل دہلا دینے والی داستان حیات قلمبند کی گئی ہیں جن کے خاوند جبری طور پر زیر حراست لاپتہ کردئے گئے۔ یہ اس سلسلے کی دوسری کتاب تھی۔ اس سے قبل وحید مرزا کی کتاب "The Collaborator" بین الاقوامی سطح پر حیران کُن انداز میں کشمیر کی کہانی بیان کرنے پر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اب تیسرا ناول "Torch Bearer - In Dark Cicles" مصنفہ غلام نبی گوہر اور اس کے ناشر ریڈ پبلشنگ انٹرنیشنل، نیویارک، لندن اور کیپ ٹاون ہیں۔ یہ بین الاقوامی سطح پر

بک سٹالوں پر دستیاب ہے۔

یہ شاید پہلی ضخیم کتاب 1183 صفحات پر مشتمل ہے جو کشمیر میں انگریزی زبان میں لکھی گئی ایک تاریخ ساز کتاب ہے، نہ صرف اس لئے کہ یہ ضخیم ہے بلکہ اس کا کینواس بھی نہایت ہی وسیع ہے۔ یہ اس سرزمین کی عمرانیات، ثقافت، مذہبی طرزِ عمل اور اس کے عوام کی ظالم و جابر کے ظلم سے نجات پانے میں ان کی اولوالعزم جدو جہد کا احاطہ کرتی ہے۔ اس نوعیت کا رزمیہ ناول لکھنے کے لئے حیرت انگیز، پُر جوش اور تخلیقی قوت کی فراوانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے کسی حساس ادیب کے لئے ایک فطری قوت کا کام کرتی ہے۔ کہانی ارگ......ایک بیوہ کی لڑکی، جو ایک گھریلو خادمہ ہے، اور اشُد (اسد) کے درمیان رومانس کے اردگرد گھومتی ہے۔ وہ ایک غریب لڑکا ہے، مشعلچی ہے۔ ان دونوں کی محبت ایک اوسط درجے گھرانے کی شادی کے موقعہ پر شروع ہوئی ہے۔ اِرگ وہاں لڑکیوں اور خواتین کے ایک گروہ میں شامل ہوتی ہے جو دولہے کی آمد پر استقبال کے روایتی گیت (ون وُن) گاتی ہے اور اشُد برات کے ساتھ آئے ہوئے مشعلچیوں کی سربراہی کرتا ہے۔

ناول نگار اس اہم ادبی صنف کی وساطت سے کشمیر کی المناک کہانی سناتے ہوئے اس کو اپنی تمام تر باریک بینی سے بیان کرنے کے ایک وسیلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے اور اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ قاری پر ٹھونسی نہیں جاتی ہے بلکہ خود قصہ اور کردار اس کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ کہانی کار شادی بیاہ کے پرکشش منظر پر اپنی تمام تر فنی نفاست نچھاور کر کے قارئین کو بتاتا ہے کہ کس طرح کشمیری عوام کے اجتماعی سوچ پر کشمیر کا اقتدارِ اعلیٰ کھو جانے کا معاملہ ان کی نفسیات میں رچ بس گیا ہے اور یہ کہ خوشی کے موقع پر بھی انہیں جھین اور گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ دولہا گھوڑے پر سوار ہو کر گھریلو خادمہ کے حسن سے مسحور ہو کر کشمیر کے آخری خود مختار بادشاہ یوسف شاہ چک کو یاد کرتا ہے جو ایک دیہاتی کی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے......اور اس کے حسن پر اظہارِ افسوس کرتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ اِرگ بھی ملکہ بننے کا حق رکھتی ہے مگر دفعتاً اس کو یاد آتا ہے: ''ہم کشمیریوں میں کوئی شاہی خاندان ہی

نہیں ہے کیونکہ کشمیر کے آخری بادشاہ کے بعد ہمارا کوئی بادشاہ ہی نہیں ہے۔ اب ہم صرف رعایا ہیں جن پر حکومت کی جاتی ہے۔

کہانی کا ماحول شہر سرینگر سے پیوستہ ہے جو بذات خود کشمیریوں کی ثقافت اور عمرانی اخلاقیات کی کہانی ہے اور اس کی ادبی روایات کا گہوارہ۔ یہ عظیم سنتوں اور صوفیوں کی آماجگاہ، کشمیر کے بڑے بڑے سلطانوں کا دارالخلافہ اور تمام مزاحمتی تحریکوں کا مرکز ہے۔ محبت کی کہانی کا یہ ڈرامہ شہر کے اس حصے کو داو کرتا ہے بالکل اس وقت جب شخصی راج، متعصب اور تنگ نظر حکمرانوں اور امتیازی سلوک روا رکھنے والے نظام کی جڑوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے کے لئے ریڈنگ روم پارٹی کی شکل میں جدوجہد شروع ہوتی ہے۔ ناول میں جزئیات نگاری نے قارئین کے اذہان پر تیز نگاہ کو گرفت میں لاتے ہوئے، ان کے خیالات کی دوروں بنی کی گئی ہے جو تحریکِ حریت کشمیر کی تاریخ سے کچھ علاوہ ہی ہے۔

ناول کئی طرح سے Shalimar the Clown کے مماثل ہے۔ بین الاقوامی سطح پر بکنے والی اس بہترین کتاب میں ایک کشمیری پنڈت لڑکی بونی کول اور خادموں کے ایک جوڑے کے لڑکے نعمان بانڈ کی پیار کی جدوجہد کشمیر کے دوران واہوتی ہے۔ ناول نویس فن کے اس نمونے میں بڑے فنکارانہ انداز میں کہانی کے اپنے پلاٹ میں کشمیر کے حقیقی کرداروں کو شامل کرتا ہے۔ کہانی کشمیر کے حدود سے بہت دور تک جاتی ہے اور یہ ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک سفر کرتی ہے جس میں حلیف شریک ہوتے ہیں۔ مشعلچی کے رول میں گوہر صاحب نے بڑی فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ کشمیر کی جدوجہد کی تحریک میں فرضی کرداروں کے ساتھ ساتھ حقیقی کرداروں کو اپنا پورا پورا رول دیتے ہیں۔ اس طرح وہ کشمیر کی کہانی کو حزن کے ساتھ ساتھ طرب کے پیرائے میں بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کو بیرونِ کشمیر رول ادا کرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ اپنی کہانی کو غیر منقسم پنجاب تک وسعت دیتا ہے کیونکہ یہ نہ صرف کشمیریوں کا دوسرا گھر ہے بلکہ اس لئے کہ یہ کشمیر کی آزادی کی تحریک کا گڑھ رہا ہے۔

جولائی 1931ء میں جب استبدادی حکمران کے فوجیوں نے نہتے مسلمانوں پر سرینگر کے سنٹرل جیل کے باہر گولیوں کی بارش کی جس کی زد میں آ کر 26 نہتے کشمیری مارے گئے اور کئی ایک شدید زخمی ہوئے۔ یہ گویا ایک ایسا ہی منظر تھا جیسے کہ جھیلوں میں لاتعداد آبی پرندوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی اِرگ کے لئے ایک ذاتی سانحہ بن جاتا ہے۔ اس کا محبوب اور منگیتر اُشد لاپتہ ہوتا ہے اور پھر کبھی گھر نہیں آتا ہے۔ یہ ذاتی سانحہ اس کم نژاد لڑکی کو جدوجہد آزادی میں اپنا رول ادا کرنے کے لئے کشمیر کے مرکزی سٹیج پر لا کھڑا کرتا ہے اور وہ شیخ محمد عبداللہ اور غلام احمد عشائی جیسے زندہ کرداروں اور زیرک شاہ کے ساتھ ساتھ اپنا رول ادا کرتی ہے۔

ناول کے ہر کردار میں زندگی کی سانسیں رواں دواں نظر آتی ہیں۔ ناول نگار اپنے کرداروں کے ذریعے 1930ء کے عشرے کے دوران سرینگر، اس کے اقتصادی منظر پیش کرتے ہیں۔ کشمیر میں اُس وقت کی تجارت اور کاروبار کا وسیع منظر پیش کرتے ہوئے مصنف جاگیردار حکمرانوں کی اُن ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرتا ہے جو انہوں نے پنجاب سے کھتریوں کو لا کر یہاں بسانے کی شکل میں کیں اور کشمیری تاجروں کی بالادستی پنجاب سے لائے گئے پندرہ ہندو خاندانوں کے سپرد کی۔ ''سب سے زیادہ منافع ازراہ کمیشن اُن ہول سیل بیوپاریوں...... مہاراج گنج کے لالوں، جو بنیادی طور پنجاب سے آئے تھے...... کو ملتا ہے۔ مقامی تاجر نہایت ہی قلیل منافع کماتے تھے اور یہ اتنا کم ہوتا تھا جیسے کہ وہ ایک دن کی مزدوری کر کے حاصل کر سکتے تھے''۔

کئی مواقع پر ناول نگار اپنے قارئین کو نہایت ہی پیچیدہ دانشورانہ مباحثوں میں شامل کرتا ہے جنہیں گزشتہ 81 برس کے سیاسی بیانیہ کا حصہ ہونا چاہئے تھا۔ بسا اوقات ایسا لگتا ہے کہ ناول نگار کے اندر موجود محقق کہانی میں تعامل کرتا ہے۔ 1931ء کی کہانی بیان کرتے ہوئے ناول نگار ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ کس طرح منگول حملہ آوروں نے 1380ء میں درجنوں ریشیوں کو مار ڈالا جب وہ محو عبادت تھے۔ کئی جگہوں پر یہ پریشان کن طریقے پر

اشتعال انگیز ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب کی ورق گردانی کرتے وقت یہ محسوس ہی نہیں ہوتا ہے کہ قاری کوئی ناول یا تحریک حریت کشمیر کے رہنماؤں کی معاشرتی لغزشوں پر مستند سیاسی تبصرہ پڑھ رہا ہے۔

ناول نگار مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے بارے میں صاف حقائق کو منصۂ شہود پر لانے کے لئے اپنے کرداروں کو بڑے اچھے ڈھنگ سے پلاٹ کے اندر سمودیتا ہے۔ 1947ء کے واقعات، الحاق کی کہانی اور 1947 کے بعد لاٹھی اور غنڈوں کی حکومت، جس کو بیشتر عصری مورخوں نے مصلحت آمیزی کی نذر کیا ہے، انہیں مورخانہ دیانت داری سے قلم بند کرنے سے اجتناب نہیں کیا ہے۔ اس ناول میں ناول کے تمام فنی محاسن اور جزئیات نگاری کے لوازمات موجود ہیں۔ مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی تامل نہ ہوگا کہ یہ ایک ضخیم ادبی شہ پارہ ہے، اس کا مطالعہ بھی کیا جانا چاہئے اور اس سے لطف اندوز بھی ہوجانا چاہئے۔ بہترین ناولوں کی طرح اس میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ قارئین کی توجہ اول سے آخر تک تھامے رکھتی ہے۔

............☆☆☆............

☆......قیوم زلفی

کتابوں سے دوستی

علم ایک ایسی دولت ہے جسے کوئی چرا نہیں سکتا۔ علم کو ایسے خزانہ سے تشبیہ دی گئی ہے جسے آپ خرچ کرتے جائیں یہ ختم ہونے کا نام نہیں لے گا۔ علم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے حصول کے لیے دوسرے ملکوں کا دورہ بھی کرنا پڑے، اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جس قوم کی درس گاہیں، تجربہ گاہیں اور کتب خانے آباد ہوں۔ روشن مستقبل اس قوم کا مقدر ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں معاشرے میں تعلیم حاصل کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے۔ کوئی بھی تعلیم کے میدان میں پچھڑنا نہیں چاہتا۔ تعلیم کے حصول کے ساتھ تو آپ علم کے نور سے منور ہو سکتے ہیں۔ تعلیم حاصل کر کے ہی آپ ترقی کی بلندیوں کو چھو سکتے ہیں۔ اسی لیے آج کے معاشرے میں علم کے حصول پر زور دیا جا رہا ہے۔

کتابیں لکھنے، پڑھنے اور انہیں جمع کرنے کا شوق ہر دور میں رہا ہے بالخصوص مسلمانوں میں ابتدائے اسلام ہی سے یہ شوق نہایت مستحکم روایت کے طور پر پایا جاتا ہے۔ ابو عمرو بن العلاء جن کا دورِ زندگی 70ھ سے 156ھ پر محیط ہے علم نحو کے امام جانے جاتے تھے۔ ان کے گھر میں ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابوں کے علاوہ اتنی کتابیں تھیں کہ ان کے گھر کے فرش سے چھت تک کتابیں ہی کتابیں نظر آتی تھیں۔ مورخین بتاتے ہیں کہ کتابیں جمع کرنے کا شوق اسلام کے ابتدائی دور ہی میں فروغ پا چکا تھا اور عہد اُموی ہی میں عظیم الشان کتب خانے قائم ہو چکے تھے۔ یہ تذکرہ مشہور مورخ ابن الندیم نے کیا ہے۔ ایک اور مورخ ابو ہفان کے مطابق عباسی دور کے حافظ، فتح ابن خاقان اور قاضی اسماعیل بن اسحاق جیسے

کتابیں جمع کرنے کے دل دادہ اس دور میں نہیں ملتے تھے۔ اس دور میں بغداد کے محلّہ بین السورین میں ابونصر نے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اس کتب خانے کے بارے میں یاقوت حموری کا بیان ہے کہ دنیا میں اس سے بہتر کتب خانہ (اس وقت) اور کہیں نہیں ہوگا۔'' اس کتاب خانے میں جتنی بھی کتابیں موجود ہیں وہ معتبر حضرات نے لکھی ہوئی ہیں۔ حماۃ (شام) کے فرمانروا اور مشہور مورخ ابوالغداء جن کا انتقال 160ھ میں ہوا تھا، کتب خانے میں دوسو سے زائد علماء فقہا، ادبا اور خوش نویس ملازم تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک الناصر کو بھی کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ امیر ابوالفوارس کا شمار حماۃ (شام) کے بڑے رؤسا میں ہوتا تھا ان کے پاس لاتعداد کتابیں تھیں۔ ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ان کے حالات ذرا خراب ہوئے تو انہوں نے چار ہزار کتابیں فروخت کردیں اس کے باوجود بھی ان کے ذخیرۂ کتب غیر معمولی کی تعداد میں کتابیں موجود تھیں۔ ابن عنقمی جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم وفاضل اور خوش نویس تھے، دس ہزار کتابوں کے مالک تھے۔ ان کا انتقال 656ھ میں ہوا۔

یمن کے فرماں روا، داؤد بن یوسف اتر کامنی کا انتقال 721ھ میں ہوا۔ ان کے کتب خانے میں ایک لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ اندلس کے حکمران مفر بن الاقطس نے بھی اپنے وقت میں ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جعفر احد بن عباس جومریہ کے فرماں رواہیر الصقلی کے وزیر تھے، انہیں بھی کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ ان کے پاس چار لاکھ کتابوں کے علاوہ بے شمار دفاتر تھے جن میں موجود کتابیں اس تعداد کے علاوہ تھیں۔ مشہور فلسفی اور ریاض کے ماہر نصر الدین طوسی نے ایک رسدگاہ کے علاوہ عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ نصیر الدین طوسی نے بغداد، شام اور دوسرے مقامات سے مختلف علوم کی کتابیں جمع کر کے چار لاکھ سے زائد کتابوں پر مشتمل کتب خانہ بنایا تھا۔ ان کا دور چھٹی صدی ہجری کا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاہرہ میں ایک اسپتال بنوایا اور اس میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا جس میں اہم علوم کی ایک لاکھ کتب جمع کیں۔ اسماعیل بن عباد کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حالت سفر میں بھی اپنے ساتھ

کتابوں سے لدے چار سو اونٹ ساتھ لے کر چلتا تھا۔ اسی طرح خلیفہ ہارون رشید کا ایک درباری ابراہیم وصلی اپنے ساتھ کتابوں سے بھرے 18 بڑے بڑے صندوق ساتھ لے کر سفر کرتے تھے۔ اندلس کے اُموی خلیفہ عبدالرحمٰن اول کے دور میں قائم کیا جانے والا شاہی کتب خانہ اپنی وقعت کے اعتبار سے قرطبہ کا عظیم الشان کتب خانہ بن گیا تھا۔ اندلس ہی میں المستصر کی کتابوں سے محبت قابلِ ذکر ہے۔ اس کے سیکڑوں گماشتے اور سوداگر کتابوں کی تلاش اور خریداری پر مامور تھے، اس کے کتب خانے میں بھی چار لاکھ کتابیں تھیں۔

یہ کوئی نئی حقیقت نہیں کہ جس کی درسگاہیں، تجربہ گاہیں اور کتب خانے آباد ہوں، روشن مستقبل اس قوم کا مقصد ہوتا ہے۔ ذہن اور جسم کے لئے محنت اور مشقت کے بعد سکون اور تفریح ضروری ہے ہمارے معاشرے میں سکون تو سماجی اور معاشی مسائل نے چھین لئے البتہ تفریح کے لئے گونا گوں وافر سامان مہیا کر رکھا ہے۔ ماضی میں ہر پڑھے لکھے متوسط گھرانے میں تین ''خانے'' ضروری ہوتے تھے اسلحہ خانہ، مہمان خانہ اور کتب خانہ۔ لیکن یہ سب آہستہ آہستہ اب داستان پارینہ بنتے جارہے ہیں کیوں کہ زیادہ تر کتب خانے خستہ حالی کا شکار اور توجہ کے مستحق ہوتے جارہے ہیں۔

ہمارے ڈرائنگ روم سے اچھی کتابیں اور رسالے نکل چکے ہیں اور ان کی جگہ ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل فون اور وی سی ڈی لے چکے ہیں۔ بچوں کو کتابیں نہیں گیم چاہئیں۔ آپ ان سے ٹی وی پر دکھائے جانے والے سیریلوں کی کہانی معلوم کریں تو وہ بتا نہیں پائیں گے کیونکہ وہ تخیلاتی کرداروں کو دیکھتے ہیں جو لاشعور میں کہیں دفن ہو جاتے ہیں۔ انہیں ان بہادر، نیک اور انصاف پسند شہزادوں، ملاحوں اور بچوں سے کوئی سروکار نہیں رہا جو اپنے والدین کے تابعدار، استادوں اور بڑوں کی عزت کرنے والے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے والے تھے۔ جو کبھی اردو رسالوں اور بچوں کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کے کردار تھے۔ آج کے بچوں کی زبان پر اقبال، شفیع الدین نیر، حامد افسر میرٹھی اور مائل خیر آبادی کی نظمیں نہیں انگلش کے بے ربط گانے ہیں۔ ان کے تصوراتی ہیرو آگ اگلنے والے

ہتھیاروں سے منٹوں میں ہزاروں انسانوں کو خاک وخون میں ملا دیتے ہیں ان کے لیے کسی کو قتل کر دینا گاجر مولی کاٹنے کی طرح ہوتا ہے۔

اچھے رسالوں اور کتابوں سے دوری کا نتیجہ ہے کہ بچے بڑوں کی بات نہیں سنتے، ان میں قوتِ برداشت ختم ہو رہی ہے۔ وہ بدزبان اور بے حس ہوتے جا رہے ہیں۔ کارٹون اور پر تشدد فلموں نے ان کی غور وفکر کی صلاحیتوں کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ ہماری تہذیب اور شاندار روایتیں بھی ان تخیلاتی کرداروں کے پاؤں تلے روندی جا رہی ہیں۔ جس تیزی سے بچوں کے رسالے ختم ہوئے ہیں اور ان کی جگہ خون آشام، درندگی اور سفا کی صفحات کے حامل سپر ہیروز والے کامکس یا کارٹون شوز نے لی ہے، اس سے ہمارا سماجی ڈھانچہ بری طرح متاثر ہو رہا ہے اور ان کے مضر اثرات اب صاف نظر آنے لگے ہیں۔ نہ جانے کیوں اردو ناشرین بچوں کے لئے معلوماتی اور اخلاقی کتب شائع کرنے سے گھبراتے ہیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے اگر بچوں کو اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالوائیں، انہیں کتابیں خرید کر دیں، کتابوں کو اس کا ساتھی بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بے مصرف اور بے کار پروگراموں میں اپنا وقت برباد کریں۔ میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے بچوں کو کتابیں تحفتاً دوں۔ لوگوں کو کتابوں اور رسالوں کی اہمیت کے بارے میں بتاؤں تاکہ لوگ کتابوں کو بن بلائے مہمان یا اپنے پرانے فرنیچر کی طرح اپنے ڈرائنگ روم سے نہ نکالیں۔

اپنے ڈرائنگ روم اور پڑھائی کے کمرے کو اچھے رسالوں اور کتابوں سے مزین کریں۔ کتابوں کو اپنا ساتھی اور ہمدرد بنا کر رکھنا سیکھیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہمارے یہاں بھی والدین اور اولاد کا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ ہم اپنی تہذیب کو بھول کر یورپ کے رنگ میں رنگ جائیں گے اور اپنے آپ کو بنی آدمی کہنے کے بجائے ترقی یافتہ حیوان سمجھنے لگیں گے۔

بشکریہ: ''روزنامہ آفتاب'' ۲۸/دسمبر ۲۰۱۲

...........☆☆☆...........

☆......مبشر حسین شاہ

کتاب کلچر کے فروغ میں قومی و ملّی ذمہ داری

یہ حقیقت ہے کہ کوئی درسگاہ اور تعلیم یافتہ معاشرہ کتاب کی ضرورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح تعلیم اور کتب خانے بھی ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، تعلیمی اداروں میں نصابی ضرورت محض نصابی کتابوں سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا تحقیقی ضروریات کے لئے اضافی کتابوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جنہیں منظّم اشاعتی اداروں اور کتب خانوں کی مدد سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ معاشرتی ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام مروجہ علوم اور زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں، اُن کی علمی سطح جتنی بلند ہوگی ملک بھی اتنی ہی ترقی کرے گا۔ آج کے جدید دور میں علم کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں، مگر ان میں صرف نصابی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ تعلیمی ادارے علم کی انتہاء نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں سے لوگ اپنے راستے سے آگاہ ہوتے ہیں اور عملی زندگی کے راستوں پر مسلسل گامزن رہنے کے لئے کتابیں اور کتب خانے تلاش کرتے ہیں۔ اِس لحاظ سے کتابوں کی اہمیت اِس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ صحیح معنوں میں حصول علم کا ذریعہ ہیں، لہٰذا یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ جو راستہ تعلیمی اداروں سے نکلتا ہے وہ کتاب اور مکتبوں پر آکر ختم ہو جاتا ہے کہ یہاں پر ہر قسم کا علم بغیر کسی پابندی اور رکاوٹ با آسانی مل جاتا ہے۔ کہتے ہیں کتاب کا انسان سے تعلق بڑا پرانا ہے اور کتاب نہ صرف انسان کی بہترین دوست ہے بلکہ یہ انسان کے علم و ہنر اور ذہنی استعداد میں بھی بے پناہ اضافہ کرتی ہے اور خود آگاہی اور اپنے ارد گرد کے حالات وواقعات

کا ادراک پیدا کرتی ہیں۔ یہ بات کچھ غلط بھی نہیں، دنیا میں کتب میلے منعقد کرنے کا مقصد لوگوں میں کتاب کی ضرورت واہمیت کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے معلوماتی پروگرامز شروع کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے، کیونکہ ایک تو شرح خواندگی بہت کم ہے۔ دوسرے مہنگائی کی وجہ سے کتاب دوستی میں بھی بہت کمی واقعی ہوئی ہے۔ اِس رجحان میں کمی کی دیگر وجوہات میں معلومات کے جدید ذرائع کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل فون بھی شامل ہیں۔ جب سے لوگوں میں ان جدید ذرائع کے استعمال کی شرح بڑھی ہے۔ کتاب دوستی اور اُس کی اہمیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے نوجوانوں میں ذوق مطالعہ کی کمی ہے۔ جس کا سہرا کسی حد تک کمپیوٹر اور موبائل فونز پر جاتا ہے، جہاں اِن کے بے شمار فوائد ہیں۔ وہیں یہ نوجوان نسل کو گمراہ کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ آج ہماری نوجوان نسل کے پاس کتاب پڑھنے کا وقت نہیں۔ لیکن دن رات انٹرنیٹ، چیٹنگ اور فضول وعشقیہ ایس ایم ایس کرنے میں انہیں کمال حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے مطالعہ کی عادت ختم ہو جا رہی ہے۔ لیکن آئی ٹی کے اِس دور میں جبکہ انٹرنیٹ پر موجود مواد اور ebooks یعنی برقی کتابوں کی موجودگی کے باوجود بھی کتابوں کی اہمیت اور افادیت کسی طور کم نہیں ہوئی۔ آج بھی ہمارے معاشرے کے ۷۰ فیصد افراد کے لئے کتاب معلومات اور حصول علم کا اہم اور بنیادی ذریعہ ہے۔ جبکہ علم وادب کے شائقین بھی کتب بینی میں بھرپور دلچسپی لیتے ہیں۔

ہم کوشش کر سکتے ہیں کہ اپنے بچوں اور نوجوانوں میں کتابوں سے دوستی کے رجحان کو فروغ دیں اور والدین کو کتابوں کی اہمیت کا احساس دلائیں، کیونکہ جب بچے اچھی کتابیں پڑھیں گے تو تربیت اچھی ہوگی اور اچھی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں ہمیں اچھی قیادت میسر آئے گی، جس سے ملک ترقی کرے گا اور معاشرے سے لاقانونیت، بدامنی، بے روزگاری، بداخلاقی دُور ہو جائے گی۔

..........☆☆☆..........

☆......حافظ خورشید عالم

مطالعہ......علم وتحقیق کی کنجی

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''پا جا سراغ زندگی'' ان مواعظات اور نصائح کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مدارس اسلام کے طلباء سے ارشاد فرمائے ہیں۔ ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے والے فضلاء سے مخاطب ہوتے ہوئے ایک موقع پر انہوں نے جو تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ میں برسہابرس کے سلسلہ تعلیم کے بعد وہ (فضلاء) اس قابل ہوئے ہیں کہ کسی کتاب کو مطالعہ کے لئے ہاتھ میں لے سکیں۔ دراصل مطالعہ کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب درسیات میں محنت کر کے یہ استعداد حاصل کر لی جائے کہ کتاب اور قاری کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ ختم ہو جائے۔ مطالعہ گہرائی اور گیرائی کا متقاضی ہے تاکہ صحیح نتائج اخذ کئے جاسکیں۔ ہر پڑھنے لکھنے کی صلاحیت رکھنے والا شخص مطالعہ کرتا ہے لیکن وہ کتاب پڑھ کر کیا کچھ حاصل کر پاتا ہے، اس کا تعلق جہاں فہم وفراست سے ہے وہیں تعلیمی قابلیت پر بھی کافی حد تک منحصر ہے۔ ''شعرالعجم'' لکھ کر علامہ شبلی نعمانی نے ہندوستان میں صدیوں پر محیط فارسی ادب کا جائزہ لیا ہے۔ اہل علم کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے بعض مقامات پر اشعار کی جو تشریح وتفسیر کی ہے اصل متن اس کے سامنے ماند پڑ جاتا ہے۔

موجودہ دور میں اہلِ علم اور ملت کا دانشور طبقہ اس بات پر کافی حد تک پریشان ہے کہ یونیورسٹیوں، کالجوں اور مدارس اسلامیہ کے سند یافتہ نوجوان نتائج کے اعتبار سے کوئی بڑا تحقیقی وتصنیفی کام انجام دینے میں ناکام ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تعلیمی ادارے

جو کبھی طاقت اور زندگی کا مرکز ومحور ہوا کرتے تھے، آج مایوسی، افسردگی اور خدشات کے شکار ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں یونیورسٹی اور کالجوں کا جال بچھا نظر آتا ہے۔ طلباء کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ تعلیم عام ہے، ہر تعلیمی ادارے میں لائبریری کی سہولیات دستیاب ہیں بلکہ بعض لائبریریاں انٹرنیٹ سے جوڑ دی گئی ہیں جس کی وجہ سے دنیا کی بڑی لائبریوں اور اہم کتابوں تک رسائی ممکن بن گئی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ متوقع نتائج مایوس کن ہیں۔ ایک عربی مقولہ ہے۔

العلم لا يعطيک بعضه حتی تعطيه کلک کہ علم تمہیں اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے سکتا جب تک کہ پورے طور پر اپنے کو اس کے حوالے نہ کردو۔ علمی لیاقت اس وقت تک پیدا نہیں کی جاسکتی جب تک علمی شغف کمال حد تک نہ پہنچا ہو۔ جس شخص کا محبوب مشغلہ کتب بینی ہو وہ یقیناً ایک مقام حاصل کر لیتا ہے۔ کتابوں کی درسگاہ میں غوطہ زن ہوکر ہزاروں صفحات کے مطالعہ سے جو گوہر ہاتھ آتے ہیں ان سے سوئی ہوئی امنگیں بیدار اور غفلتوں کے خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریاں فروزاں ہوجاتی ہیں۔ حقائق اور مفروضات میں واضح فرق دکھائی دیتا ہے۔ دورانِ مطالعہ دلچسپ واقعات، علمی لطائف، اثر انگیز عبارتیں، بصیرت آموز نصائح، تحقیقی وتنقیدی نگارشات، مختلف اسالیب، زبان وبیان کا لطف ایک قاری کے ہونٹوں پر تبسم بھی بکھیرتا ہے اور آنسو بھی لاتا ہے۔ کتابیں انسان کی بہترین دوست اور رہنما ہیں۔ کتابوں کے مطالعہ سے جو علم وآگہی ملتی ہے وہ کہیں اسے میسر نہیں۔ کتابیں علم کا خزانہ ہیں۔

موجود دور میں کتابوں کے مطالعہ کے ذوق ورجحان میں کافی حد تک انحطاط نظر آتا ہے۔ ضخیم اور تنقیدی وتخلیقی کتابوں کا مطالعہ طلباء اور دانشوروں تک محدود ہوگیا ہے اور وہ بھی اس وقت جب تحقیقی عمل مطلوب ہو، ورنہ لائبریریاں اور ہی ہیں۔ پرانی کتابوں پر دھول جم گئیں ہے علمی، تحقیقی اور عسکری کتابوں کے مطالعہ میں کافی حد تک کمی آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی کتابیں دوسری اشاعت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتیں۔ ناولوں، افسانوں،

طلسماتی کہانیوں کے علاوہ جرائم کی دنیا پر مبنی کتابیں اکثر نوجوانوں کے ہاتھوں میں نظر آتی ہیں۔علماء کے مجالس میں اکثر یہ بات سنی ہے کہ کتابیں جہاں تعمیری ہوتی ہیں وہیں تاریکی کی طرف بھی لے جاتی ہیں۔ کتابوں کا انتخاب ایک بڑا مسئلہ ہے۔انسان بڑا خود پسند واقع ہوا ہے۔بعض مصنّفین اپنی نگارشات کے ذریعہ عوام میں ایک کنفیوژن پیدا کرنا چاہتے ہیں بلکہ بعض حقائق کو تور مروڑ کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ مسئلے کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ کالم نگار زیڈ جی محمد کشمیریوں کی شخصی راج کے خلاف تحریک آزادی کے علاوہ عہدِ وسطیٰ اور عصرِ حاضر کی تاریخ مستند ماخذوں کی روشنی میں دوبارہ مرتب کروانے کی خواہش مند ہیں، تو وہ حق بجانب ہیں۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلم کردار کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف جو مفروضات گھڑ لئے گئے ہیں، ان پر تحقیقاتی نشتر زنی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا دورِ حکومت خصوصاً مغل دور صرف تعمیرات ہی کے لئے یاد نہیں رکھا جانا چاہئے بلکہ ہندوستان پر نوسوسالہ دور حکومت میں ملک نے جو ترقی کی اور دو بڑی قومیتوں کے درمیان قومی یکجہتی واتحاد کی جو فضاء قائم رہی، اس پر بھی بات ہونی چاہئے۔ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ زیادہ تر بادشاہوں کے واقعات پر روشنی ڈالتی ہے۔اس کا انداز توجیہی سے زیادہ بیانیہ ہے۔

یہ کام جہاں تحقیقی ہے وہیں تاریخی بھی۔ یونیورسٹی اور کالجوں کے فضلاء سے امید کی جانی چاہئے کہ اپنی عمر کا بڑا حصہ درسیات میں صرف کرنے کے بعد وہ اپنی علمی استعداد بروئے کار لائیں اور مسنخ شدہ تاریخ کو صحیح پس منظر میں پیش کریں۔ تحقیقی و تصنیفی کام کی کوئی آخری منزل نہیں ہوتی۔

............☆☆☆............

☆......انیس فاطمہ

طلاب مطالعہ کا شوق پیدا کریں

جب سے لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ کا دور آیا ہے ،طلباء کے لئے آسانیاں پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں مطالعے کے حوالے سے شوق بھی کم ہوتا جا تا جارہا ہے اور وہ رٹا ازم اور پکے پکائے حلوے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج بیشتر طلباء اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کے باوجود کند ذہن کہلاتے ہیں کیونکہ آج ہم نے محض درسی کتابوں کے علم کو ہی فوقیت دی ہے جبکہ مطالعہ کے لئے آپ کو نہ صرف اپنا نظریہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس رٹا ازم سے نجات بھی ضروری ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ آج طلباء وطالبات مطالعہ کی افادیت کو سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہیں تاہم جو طلاب اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مطالعہ اور علم کا آپس میں کتنا گہرا تعلق ہے۔علم کا کام آپ کو مختلف موضوعات کے بارے میں محض جانکاری فراہم کرنا ہے لیکن مطالعہ آپ کو فہم وادراک کے ساتھ ساتھ شعور فراہم کرتا ہے اور آپ کو مزید غور وفکر کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔طلباء کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ پڑھائی اور دوسری تمام نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے ساتھ مطالعے کی عادت کو بھی اپنائیں تاکہ ڈگریوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ان کا نظریاتی علم اور ذہن کا کینواس بھی بڑھ سکے۔ اگر طلباء اپنے علم کا دائرہ کار بڑھانا چاہتے ہیں اور امتحان میں ہونے والی ناکامیوں سے دلبرداشتہ ہیں تو سب سے پہلے طلبا کو رٹا ازم سے نجات حاصل کرنا ہوگی اور اپنا ایک شیڈول مرتب کرنا ہوگا۔ ذیل میں چند ہدایات پیش کی جارہی ہیں تاکہ آپ اسٹڈیز کے حوالے سے بہتر لائنز اپنا سکیں۔

اسٹوڈنٹس لائف میں وقت سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے ٹائم کا ایک شیڈول ضرور مرتب کریں اور اس پر قائم بھی رہیں حالانکہ اسٹوڈنٹس کیلئے وقت کو بانٹنا کافی مشکل امر ہوتا ہے کیونکہ اب انسٹی ٹیوٹس کے بعد اس قدر پرائیویٹ اکیڈمیک ادارے کھل چکے ہیں کہ طالب علم تو بس انہی اداروں میں تقسیم ہوکر رہ گئے ہیں لیکن پھر بھی وقت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے اس لئے اگر آپ اسٹڈیز کے لئے اپنا ایک شیڈول بنائیں اور اس پر سختی سے عمل کریں تو آپ کا بہت سا وقت ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ خود کو پڑھنے سے بچانا دنیا کا سب سے آسان کام ہے لیکن آپ کے اسکول اور کالج لائف کی کامیابی کا گُر آپ کی ٹائم مینجمنٹ میں چھپا ہے۔ اگر آپ اس پر عمل کر لیں تو باقی کام آپ کے لئے نہایت آسان ہو جائیں گے۔

پڑھنے کی جگہ کا انتخاب:

پڑھنے کیلئے عام طور پر ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں لوگ موجود نہ ہوں اور ماحول میں خاموشی اور سکون ہو۔ اس کیلئے گھر میں کوئی ایسی جگہ کا انتخاب کریں یا پھر انسٹی ٹیوٹس کی لائبریری میں ہی اپنی اسٹڈیز مکمل کر لیا کریں یا پھر باہر کسی پرائیوٹ لائبریری میں جا کر پڑھائی کر لیں۔ اہم بات یہ نہیں کہ آپ کس جگہ کا انتخاب کر رہے ہیں بلکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ سکون اور بنا کسی روک ٹوک کے اپنی پڑھائی مکمل کر سکیں۔

تمام حسیات کا استعمال:

مطالعے میں یہ بات کافی اہمیت رکھتی ہے کہ آپ چھوٹے چھوٹے ہنٹس کی صورت میں باتوں کو یاد رکھیں اس طرح سے آپ رٹا ازم سے بچے رہیں گے اور آپ کو اسٹڈیز سے متعلق باتیں بھی یاد رہیں گی اس لئے ایک چھوٹا سا کام یہ کریں کہ پڑھتے وقت اپنی تمام حسیات کو بیدار رکھیں اور تنقیدی مشاہدے کی عادت اپنائیں۔ جو بھی پڑھیں اس کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات مثال کی صورت میں یاد رکھیں تا کہ آپ کو یاد کرنے میں بھی آسانی رہے اور آپ امتحان کے دوران اسے بھول نہ جائیں۔

دوسروں کو پڑھائیں:

کہتے ہیں سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ سمجھانا، لیکن عموماً اس بات کا غلط مطلب نکالا جاتا ہے اور لوگ اپنے علم کو بانٹنے سے بچتے ہیں۔ اگر آپ اپنا علم بانٹیں گے تو نہ صرف آپ کے علم میں اضافہ ہوگا بلکہ کوئی دوسرا بھی اس سے مستفید ہوگا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اکثر اوقات جب آپ اپنے علم کو دوسرے کے ساتھ بانٹیں گے تو اس سے آپ کو بہتر انداز میں بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

نوٹس بناتے جائیں:

مطالعہ کا سب سے دلچسپ فعل نوٹس کہلاتا ہے کیونکہ مطالعہ کے لئے نوٹس کی بڑی اہمیت ہے اور وہ بھی دوسروں کے نہیں بلکہ اپنے بنائے گئے نوٹس کی۔ اس لئے کوشش کریں کہ اساتذہ کے لیکچرز کو غور سے سنیں۔ اکثر اوقات سننے کے باوجود بھی بعض اوقات کوئی لفظ ذہن سے نکل جاتا ہے اگر آپ لیکچرز کے نوٹس بنالیں گے تو نہ صرف آپ ان کی بدولت ٹاپکس کو یاد رکھ پائیں گے بلکہ یہ نوٹس آپ کو امتحانوں میں بھی کام آجائیں گے۔

دوسری کتابوں کا مطالعہ:

طلباء کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ ایک رٹو طوطا بن کر رہ گئے ہیں، درسی کتابوں کو پڑھنے کا شوق ہے اور نہ ہی ان کے پاس وقت ہے۔ حالانکہ دنیا میں ایسا کوئی فلاسفر نہیں گزرا جس نے صرف اپنے علم پر بھروسہ کیا ہو اور کسی دوسرے سے اختلاف نہ کیا ہو اور اختلاف کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ آپ دوسروں کے نظریات کو سنیں اور پڑھیں اس لئے اپنے کورس کی کتابوں کے علاوہ بھی دوسری کتب کو پڑھیں تاکہ آپ کا علم بڑھے اور جو معلومات آپ کی کتب میں نہ ہوں آپ انہیں بھی حاصل کرسکیں۔

(بحوالہ کشمیر عظمیٰ ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۲)

...........☆☆☆............

☆......فیض احمد فیاض

مطالعہ کُتب اور کشمیری سماج

مطالعہ کُتب کے لئے مشہور مصنف ایس آر رنگا ناتھن (S.R Ranganathan) نے جو پانچ اہم اصول وضع کئے ہیں اُن میں پہلا اصول یہ ہے کہ "Books are for use" یعنی کتابیں پڑھنے کے لئے ہیں لیکن جب ہم اپنی وادی پر نظر ڈالتے ہیں تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں اس چیز کا فقدان ہے۔ ہمارے یہاں کم پڑھے لکھے لوگوں کی تو دور کی بات ہے اعلیٰ تعلیمی یافتہ لوگوں کو بھی مطالعہ کُتب کا شوق نہیں۔ تفریح گاہوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کرکٹ میچوں، فلموں یا سیاست پر بحث و مباحثہ کرنے کے لئے انہیں وقت تو نکل جاتا ہے لیکن مطالعہ کُتب کے لئے بھی وقت کی کمی کا خوبصورت بہانہ تراشتے ہیں۔

وہ بھی وقت تھا جب وادیٔ کشمیر میں کتب خانے بہت کم تھے۔ پوری تحصیل میں صرف ایک لائبریری ہوا کرتی تھی لیکن پڑھنے والوں کا اژدہام رہتا تھا۔ ایک ایک کتاب بیسوں مرتبہ جاری ہوتی تھی اور کتب بینی کے شائقین مستقل ممبر ہوا کرتے تھے۔

کتب خانہ کے دار المطالعہ میں ہی مختلف موضوعات کی کتابیں یا روز نامہ و ماہنامہ سرسری مطالعہ کرتے تھے اور مقصد و ضرورت کی کتابیں جاری کروا کر گھر میں انتہائی شوق کے ساتھ مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور پھر ان کتابوں کو ختم کر کے جلد دوسری کتابیں جاری کرواتے تھے، ضرورت کی جو کتاب کتب خانہ میں موجود نہیں ہوتی تھی اُس کو خصوصی طور منگوایا جاتا تھا لیکن آج اگر ہر بستی میں کتب خانہ نہیں لیکن علاقہ میں ایک کتب خانہ کم از کم ضرور موجود ہے لیکن استفادہ کرنے والا کوئی بھی نہیں۔ دس پندرہ سال پہلے کتابوں

کے شوقین کو نئی کتاب کا انتظار رہتا تھا۔ کتاب سرکاری کتب خانہ یا مارکیٹ میں آتے ہی پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی تھی۔

مغرب میں سائنس وٹیکنالوجی کے عروج نے اگرچہ وہاں کے لوگوں سے فرصت کے لمحات چھین لئے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے کتاب سے رشتہ منقطع نہیں کیا۔ امریکہ میں ہر ہاتھ میں کتاب نظر آتی ہے اور ہر گھر میں کتاب کے شلف دکھتے ہیں۔ مغرب کے ضمیر اور خمیر میں کتب بینی شامل ہے، وہ جہاں بھی جاتے ہیں کتاب اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔ راقم نے خود اکثر سیاحوں کے ہاتھوں میں کتابیں دیکھی ہیں۔ مغربی سیاح دوسرے ملکوں سے اگر کوئی خاص چیز بطور تحفہ اپنے ملک لاتے ہیں تو وہ کتاب ہوتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں، کسی بھی مضمون پر اور کسی بھی ملک یا بین الاقوامی زبان میں جو کتاب چھپتی ہے وہ وہاں کی سرکاری کتب خانہ کی زینت بن جاتی ہے۔ راقم نے ایک دفعہ مقامی Author سے خود سنا کہ سرینگر کا کوئی لڑکا ٹوکیو یونیورسٹی میں انجینئرنگ کر رہا تھا تو جب وہ تعلیم ختم کر کے واپس آیا تو مجھ سے بولا کہ میں نے آپ کی کتاب ٹوکیو یونیورسٹی کے مرکزی کتب خانہ میں دیکھی۔ اقبال کے اس شعر کے پیچھے یہی حقیقت ہے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا سیپارا

ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانوں میں کتابوں کے انبار لگائے ہیں۔ وہ خوب لکھتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ امام رازیؒ نے ایک دفعہ منبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے ان انگلیوں سے چھ سو کتابیں خود لکھی ہیں۔ ایک محدث کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان کی زندگی اور کتابوں کے اوراق کا شمار کیا گیا تو چالیس صفحات روزانہ کے بنے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے مریدین کو پند و نصائح کرنے میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، اس کے باوجود کثیر نویس بھی تھے۔ ان کی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور اگر ہم اپنے اسلاف کی کتب بینی کی بات کریں تو ان کے شوق مطالعہ کی داد دینی پڑتی ہے۔

ابن رشد کے متعلق مشہور ہے کہ ساری عمر میں صرف دو راتیں ایسی گذری ہیں جن میں وہ مطالعہ نہیں کر سکے ایک شب زفاف اور ایک والدۂ محترمہ کے انتقال کی رات۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے کثرتِ مطالعہ کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں جب ہاتھ ہلانے کی بھی طاقت نہ رہی تو کروٹ پر لیٹتے اور سامنے کرسی پر کتاب کھلی ہوئی کھڑی ہوتی جب پورا صفحہ مطالعہ فرما لیتے تو کسی کو ورق پلٹنے کے لئے اشارہ کرتے وہ ورق پلٹ دیتا اور حضرت اس کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ امام زہریؒ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا کہ ادھر ادھر کتابیں ہوتی تھیں اور ان کے مطالعہ میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔ بیوی کو کب گوارا تھا کہ ان کے سوا کسی اور کی گنجائش ہو ایک روز بگڑ کر کہا:

(قسم ہے رب کی، یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں)

مولانا منہاج الدین حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے استاد تھے، زمانہ طالبِ علمی میں لاہور سے دہلی گئے تو دکانداروں کے چھوٹے موٹے کام کر کے ان سے آٹا اور گھی لیا کرتے تھے۔ رات کو آٹے کا چراغ بنا کر اس میں گھی ڈالتے اور اس کی روشنی میں رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے اور دن میں اس کی ٹکیا پکا کر کھا لیتے اور اسی پر قناعت کرتے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اتنی شہرت پائی کہ سلطان بہلول لودھی کے عہدِ حکومت میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔

شیخ محدث دہلویؒ اپنی طالب علمی کا حال درج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''در اثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب در می گذشت، والد قدس سرہ مرا فریاد می زدہ بابا چہ می کنی''

(میں اتنی دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتا کہ والدِ ماجد کو رحم آجاتا اور فرماتے کہ کب تک جاگو گے، اب آرام بھی کرو)

ہمارے بعض اسلاف ایسے بھی گذرے ہیں جن کی مطالعۂ کتب سے ہی زندگیاں بدل گئی ہیں چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب ''کاروانِ مدینہ'' میں ''رحمتہ للعالمین'' کتاب اور اس کے مصنف مولانا قاضی محمد سلیمان صاحبؒ کا شکریہ ادا

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج میں اس کتاب کا ذکر کروں گا جس کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے اور میں اس کے صاحب دل اور عاشق رسول ﷺ مصنف کے لئے خدا کے حضور دل سے دعا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنی اس کتاب کے ذریعے مجھے ایک ایسی دولت سے آشنا کیا جو میرے نزدیک ایمان کے بعد سب سے قیمتی چیز بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایمان کا ہی ایک حصہ ہے۔ اس کتاب کا نام ''رحمتہ للعالمین'' ہے اور اس کے مصنف مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری ہیں......اس کتاب کا اور صاحب کتاب کا میں دل سے شکر گزار ہوں کہ اس نے میری محبت کے پرسکون ساز کو چھیڑا ہے۔''

میرے ایک دیرینہ دوست فرمایا کرتے تھے کہ "If I were theif I would theft books" یعنی اگر میں چور ہوتا تو میں کتابوں کی چوری کرتا۔ فارسی کا مشہور مقولہ ہے ''رفیق کنج تنہائی کتاب است'' یعنی تنہائی کی بہترین ساتھی کتاب ہے۔ انسان اپنی تنہائیوں میں کتاب کا سہارا لے سکتا ہے اور اپنے انمول وقت کو ضائع ہونے سے بچا سکتا ہے۔ جو کتابیں پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ کبھی افسردہ اور مایوس نہیں ہوتے کوئی نہ کوئی بات وہ ہمیشہ سیکھتے رہتے ہیں۔

دورِ حاضر کی مادی تگ ودو نے اگرچہ لوگوں کے فرصتی اوقات چھین لئے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی مطالعہ کے شوقین اپنا وقت مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ وادیٔ کشمیر کے عام لوگ بالخصوص نوجوان اپنے فارغ وقت کو سیر سپاٹوں اور کھیل کود میں صرف کرتے ہیں اور بزرگ حضرات دکانوں پر بیٹھ کر بیہودہ باتوں میں مشغول رہتے ہیں اور جب یہ حالت ہو تو کون کتب فروش کتابوں کی دکان سجا کر خریداروں کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ پچھلے چند سالوں سے راقم نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے کتب فروشوں نے اپنی دکانیں بند کر کے دوسری تجارت شروع کی اور اگر یہاں کے سرکاری کتب خانوں کی بات کریں تو ان کتب خانوں کی کتابیں یا تو دھول چاٹ رہی ہیں یا کتابی کیڑے ان کو ناقص بنا رہے ہیں۔

............☆☆☆............

☆......محمد اقبال

نور محمد......علم دوست ناشر

بیسویں صدی کے آغاز میں یہاں بہت سی ایسی شخصیات پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے کشمیر میں علم وادب کو فروغ دینے میں تاریخی رول ادا کیا۔ ان ہی شخصیات میں مشہور ناشر نور محمد (تاجرانِ کتب) ایک منفرد نام ہے جنہوں نے آج سے تقریباً 100 سال پہلے کشمیر میں مختلف موضوعات پر کتابوں کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔

نور محمد 1905ء میں سرینگر کے محلہ صراف کدل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار غلام محمد نے مہاراج گنج میں کتابوں کی ایک چھوٹی سی دوکان کھول رکھی تھی جہاں سپارے قرآن شریف، کریما، پند نامہ وغیرہ مقبول عام کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ نور محمد نے ابتدائی تعلیم قرآن شریف اور فارسی اپنے ہی والد سے حاصل کی پھر ایک مقامی مڈل سکول میں داخلہ لیا۔ مڈل تک غلام محمد نے ترک سکونت کر کے نزدیک محلہ پاندان میں سکونت اختیار کی اور نور محمد کو اپنی تجارت سنبھالنے کو کہا جسے موصوف نے 1890ء کو شروع کیا تھا۔ نور محمد نے اپنی محنت اور خداداد صلاحیت سے بفضل ایزدی اسے ایک بڑے کتب خانے میں تبدیل کر دیا۔ نور محمد لاہور، دہلی، لکھنؤ کے علاوہ مصر سے بھی کتاب منگوایا کرتے تھے۔ یوں یہ دوکان علم وادب کا ایک بحرِ بیکراں بن گئی۔ اطراف واکناف کے علماء اور فضلاء دانشور، شعراء کرام کا آنا جانا رہتا تھا اور اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ کتابوں کی خرید فروخت کے علاوہ وقت کی بڑی بڑی شخصیات نور محمد کے پاس آیا کرتی تھیں۔ ان میں محمد الدین فوقؔ، پیرزادہ غلام احمد مہجورؔ، عبدالاحد آزادؔ، میر واعظ احمد اللہ، غلام

رسول مہرؔ، ابوالاثر حفیظ جالندھریؔ، شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس، اللہ رکھا ساغر، سید علی شاہ گیلانی، غلام نبی گلکار، مولوی محمد ابراہیم، مولوی عبدالکبیر صاحب، نجم الدین بانڈی پورہ، احد زرگر، رسا جاودانیؔ، پروفیسر رحمان راہیؔ، صمد میر، احمد اللہ پنجابیؔ، اختر محی الدین، پتا مبر ناتھ فانی، دینا ناتھ نادم، پریم ناتھ پردیسیؔ، تنہا انصاری، مرزا عارف، غلام رسول کاوسہ قابل ذکر ہیں۔

یہاں روز علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی محفلیں ہوا کرتیں اور یہ برگزیدہ علمی سیاسی شخصیتیں بحث ومباحثہ میں مشغول رہتیں۔ نور محمد زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے مگر اپنے وسیع مطالعہ اور حاضر دماغی کی وجہ سے کشمیری، اُردو، فارسی اور عربی زبانوں پر مکمل عبور حاصل کیا تھا۔ نور محمد صرف روپیہ کمانے کے لئے کتابیں فروخت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے اندر یہ جذبہ موجزن تھا کہ لوگ علم وادب کی طرف راغب ہو جائیں تا کہ یہاں ناخواندگی اور جہالت دور ہو جائے۔ وقعی یہ افلاس کا دور تھا۔ اُن دِنوں کتابیں کرایہ پر بھی ملتی تھیں۔ نور محمد کئی غریب طالب علموں کو بغیر کسی معاوضے کے کتابیں کرایہ پر دیتے تھے اور تعلیم ختم کر کے واپس لیتے تھے۔ بسا اوقات مرحوم غریب طالب علموں کی کافی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ وہ خود شاعر تھے، کشمیر پر بھی گہری نظر تھی۔ دنیا کی تاریخ کا بھی تھوڑا بہت علم تھا۔ مرحوم علامہ اقبال سے کافی متاثر تھے۔ علامہ اقبال کے فارسی کلام کے علاوہ رومیؒ، سعدیؒ شیرازی، فردوسی کا بہت سا کلام زبانی از بر تھا۔ مزید برآں مرحوم مختلف مذاہب کے فلسفے سے بھی واقف تھے۔

نور محمد جب کسی بحث میں بولتے تو گھنٹوں بے تکان بول سکتے تھے۔ بیسوی صدی میں جو بڑے بڑے اسلامی سکالر پیدا ہوئے جنہوں نے دین اسلام پر بڑی بڑی کتابیں لکھیں اُن کو کشمیر میں پہلے نور محمد ہی نے متعارف کرایا۔ مرحوم دو کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک کا عنوان ''واقعاتِ کشمیر کا روزنامچہ'' ہے جو 1931ء لے کر 1965ء تک سے سیاسی واقعات پر مشتمل ہے۔ دوسرا پمفلٹ ''ترانہ مسلم'' ہے جس میں مختلف شاعروں کی

اسلامی نظمیں درج ہیں۔ 1931ء کو جب ڈوگرہ راج کے خلاف عوام کی آواز اٹھی تو نور محمد نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس دوران بڑے بڑے سیاسی قائدین ان کے پاس اکثر آیا جایا کرتے اور کبھی کبھی صلاح مشورہ کرتے رہتے تھے۔

1942ء میں جب دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی تو بہت سارے مقامی اہل علم و دانش شام کو نور محمد کے دولت خانے پر تشریف لاتے اور رات گئے تک ریڈیو سنتے رہتے اور پھر خبروں پر تبصرے کا دفتر کھل جاتا۔

نور محمد نے اُس وقت تاریخ ساز رول ادا کیا جب یہاں ڈوگرہ شاہی کا راج تاج تھا۔ شرح خواندگی بالکل کم تھی، سکولوں کی تعداد قلیل تھی۔ حالات کی نامساعدت عروج پر تھی۔ اسی فضاء میں نور محمد سن تنہا علم و ادب کی خدمت میں مصروف عمل رہے۔ مختلف باذوق حضرات سے نعت، مناجات، منقبت کے قلمی نسخے حاصل کئے۔ اس کے علاوہ کشمیر کے اطراف واکناف جاکر حضرت شیخ العالمؒ، لل عارفہؒ، خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ، شیخ یعقوب صرفیؒ حضرت بابا داؤد خاکیؒ کا کلام جمع کر کے اسے کتابی صورت میں منظر عام پر لایا۔ انہوں نے حبہ خاتون، شمس فقیر، رسول میر، نعمہ صاحب، سوچھ کرال، وازہ محمود، احمد بٹواری، شاہ غفور، وہاب کھار، شاہ قلندر، رحیم صاحب سوپوری، محمود گامی، احد زرگر کے کلام کو لاہور سے زیورِ اشاعت آراستہ کر کے منظر عام پر لایا۔ نور محمد نے محمود گامی، ولی اللہ متو، محی الدین مسکین، پیر عزیز اللہ حقانی، مقبول کرالہ واری، عبدالاحد ناظم، ثناء اللہ کریری، امیر شاہ کریری، وہاب حاجنی، مولوی صدیق اللہ حاجنی، پیر غلام محمد حنفی وغیرہ کی مثنویات، ''یوسف زلیخا''، ''لیلیٰ مجنوں''، ''شریں خسرو''، ''قصہ ہارون رشید''، ''پنج گنج نظامی''، ''زیبا نگار''، ''جوہر عشق''، ''گلدستہ بے نظیر''، ''قصہ ممتاز بے نظیر''، ''گل ریز''، ''گل بکاولی''، ''شاہ نامہ فردوسی''، ''سکندر نامہ''، ''سام نامہ''، ''جنگ مانہ امیر حمزہ''، ''شریں فرہاد''، ''قصہ ہارون الرشید''، محمود غزنوی''، ''شیخ فغان شیخ منصور''، ''گریس نامہ''، ''بہار نامہ''، ''بیر نامہ''، ''بے بوجھ نامہ''، ''ہفت قصہ مکر زن''، ''اکبر نامہ''، ''بہرام گور''، ''کاشر سلطانی''، ''گل بدن شکل وشمائل

آنحضرت ﷺ''، ''خلافت نامہ''، ''ہی مال''، ''اکہ نندن'' کے علاوہ بہت سے جنگ نامے اور مثنویاں شائع کیں۔ اس کے علاوہ جو بڑی بڑی کتابیں بھی شائع کیں ان میں 1936ء میں تاریخ ''واقعاتِ کشمیر'' از خواجہ اعظم دیدہ مری کے بعد ''تاریخِ حسن کھویہامی''، ''تذکرہ اولیائے کشمیر''، ''کشمیری بول چال''، ''دلائل خیرات''، ''چہل اسرار''، ''شرح اورادِ فتحیہ''، ''شرح کبرت شریف''، ''دستور سالکین''، ''عرائس کشمیر''، ''صوفیانہ موسیقی''، ''درد و شفا'' جیسی کتابیں شامل ہیں۔ ان دنوں اوڑی کے راستے راولپنڈی روڈ سے لاہور، امرتسر اور لکھنو جانا پڑتا تھا پھر وہاں سے یہ کتابیں چھپوا کر لاتے تھے۔

............☆☆☆............

اسلاف کا ذوق مُطالعہ

عُمدہ کتاب حیات ہی نہیں بلکہ ایک لافانی چیز ہے اور یہ خود ہی لافانی نہیں بلکہ اپنے لکھنے والوں کو، جن کا اس میں ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات پڑھنے والوں کو بھی لافانی بنا دیتی ہے کیونکہ عمدہ کتابوں نے انسانوں کے اخلاق اور طبائع پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں خیالات میں عظیم الشان تغیر پیدا کیا ہے۔ ملکوں کی کایا پلٹ دی ہے۔ قوموں کے سوئے ہوئے جذبات میں حیرت انگیز طور پر ہلچل مچادی ہے۔ مردہ دلوں کو زندہ جاوید بنا دیا۔ قوموں کے انسانیت کے کھوکھلے ڈھانچوں میں رُوح پھونک دی ہے۔ علاّمہ مسعودی نے کتاب کی کس قدر وبلیغ اور جامع تعریف کی ہے۔

اے میری کتابو! تم میری جلیس وانیس ہو۔ تمہارے ظریفانہ کلام سے نشاط اور تمہاری ناصحانہ باتوں سے تفکر پیدا ہوتا ہے۔ تم پچھلوں اور اگلوں کو ایک عالم میں جمع کر دیتی ہو۔ تمہارے منہ میں زبان نہیں لیکن تم زندوں اور مردوں کے افسانے سناتی ہو، تم ہمسایہ ہو لیکن ظلم نہیں کرتیں، عزیز ہو لیکن غیبت نہیں کرتیں دوست ہو لیکن مصیبت میں ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ (بحوالہ ھدیٰ ڈائجسٹ دسمبر ٦٨)

............☆☆☆............

☆......غلام احمد چودھری

دین وعلم کی ترویج میں کتب خانوں کا کردار

اسلام نے مذہب کیلئے ''دین'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ترجمہ...... ''اسلام ہی خدا کے نزدیک حقیقی دین ہے''۔ سورہ آل عمران۔ دوسری جگہ فرمایا سورہ صف 9:1 ترجمہ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پھر فرمایا سورۃ المائدہ 2:5

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر راضی ہوں'' امام راغب کے نزدیک دین کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں اس کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے دین اور ملت متراف ہیں۔ شریعت پر اس کا اطلاق ان معنوں میں ہے کہ اس کی اطاعت کے سامنے اپنی گردن خم کرنا لازمی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے الدین الجزاء فی الخیر والشر۔ یہاں دین سے مراد نیکی اور بدی کا بدلہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور اطاعت کا نام دین ہے۔ جب خداوند تعالیٰ جیسی علیم وحکیم ہستی نے دین کو مکمل کر کے دنیا کی ہر چیز کو ایک قانون اور ضابطہ کے ماتحت کر دیا تو یہ لازمی امر تھا کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے قوانین وضوابط بنائے جاتے جن پر عمل پیرا ہو کر بنی نوع انسان فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو سکتا۔ خداوند قدوس ایسے قوانین مختلف ادوار میں مختلف انبیاء علیم السلام پر نازل کرتے رہے ان کی آخری اور مکمل ترین شکل ''کتاب المبین'' قرآن مجید ہے۔ یہ مقدس کتاب جملہ صحف سماوی کی جامع ہے اس میں وہ تمام قوانین بیان کر دیئے گئے ہیں جو مختلف زبانوں میں مختلف انبیاء

علیم السلام پر نازل ہوتے رہے۔ یہی قیامت تک کے لئے رشد وہدایت کا ذریعہ ہے جیسا کہ خود قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ یہ ہمیشہ قائم رہنے والی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا ہے۔ اس مقدس کتاب کے ذریعے۔ توحید کو قائم کرنا انسانی عظمت وشرف، اتحاد ونسل انسانی، مساوات، رواداری، امنِ عالم، تزکیہ نفس، علوم کی ترقی، انسانی فلاح، عقل کی رہنمائی اور حیات بعد الموت کی اطلاع دینا مقصود تھا۔ علاوہ ازیں تکمیلِ شریعت مذہبی اختلاف کا فیصلہ، کتب سابقہ کی غلطیوں کی اصلاح، سابقہ کتب سماوی کے برحق ہونے کی تصدیق اور تکمیل انسانیت، نسل انسانی کو وحدت کی لڑی میں منسلک کرنا، قومی اور لسانی تعصّبات کا خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ ازلی کی تکمیل کرنا مقصود تھا۔

دینِ اسلام میں علم کی اہمیت اور فرضیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ علم کا وجود کتاب کی مرہونِ منت ہوتا ہے اور کتاب کا وجود کتب خانوں کی بدولت ہوتا ہے۔ دنیا جہان کی سب سے بڑی دولت کو علم کا نام دیا جاتا ہے۔ علم جو انبیاء کی وراثت، صاحب علم کا تحفظ خدا شناسی کا ضامن۔

که بے علم نتوان خدا راشناخت

صداقت وحقانیت کا سرچشمہ روحانیت کا منبع۔ جرأت واستقامت، عزیمت و بصیرت اور جہد مسلسل کا نام ہے۔ جس کا طالب مرجائے تو شہید وصدیق کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ فرشتے نہ صرف اس کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور وہ واپسی تک جہاد فی سبیل اللہ میں ہوتا ہے۔ بقول حضرت ابن عباسؓ ایک فقیہ یعنی عالم دین شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ قوی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ عالم کو عابد پر کیسی فضیلت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جیسے میری فضیلت اس شخص پر جو تم سے ادنیٰ درجے کا ہے۔ راہِ علم کے مسافر کے لئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، زمین وآسمان کی ساری مخلوقات حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنی بلوں اور مچھلیاں پانی میں اس کے لئے دعا گو رہتی

ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے بہشت کے راستے گامزن رکھتا ہے۔ فرشتے اپنے پروں کو اس کے پاؤں کے نیچے بچھاتے ہیں۔ علم کے متلاشی کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر علماء کا وجود باقی نہ رہے گا تو پھر کائنات اور اس کا وجود بھی باقی نہ رہے گا۔ اس علام الغیوب کے محبوب اور برگزیدہ انسان انبیاء، ان کے جانشین خلفاء اور دعوت تبلیغ کے مقدس فریضہ کو انجام دینے والے علماء ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ارشاد ہے تم عالم بنو یا طالب یا سامعِ علم یا پھر محبؒ علم وعلما، پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں علماء کو ازیت پہنچانا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہ فتوی درج ہے کہ جو شخص کسی عالم سے کسی ظاہری سبب کے بعض رکھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ علما اسلام کو انبیاء بنی اسرائیل کی مانند کہا گیا ہے اس لئے کہ علم انبیا کی میراث ہے جس کی ترقی اس میں اضافہ کا باعث ہے علم ایک دائمی رفیق ہے اسلام میں علم۔ تعلیم اور کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ معلم ہیں رسول عربی ﷺ ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتون پر فضیلت ان کے علم کی بنا پر ہوئی خود ذات باری تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا قرآن کریم کا آغاز ''اقراء'' اور آیات علم سے ہوا۔ قرآن حکیم بے شمار علوم کا خزانہ ہے۔ ارشاد نبوی میں علم کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازمی قرار دیا گیا ہے۔ کتاب مبین نے علم کو شرط نیابت الٰہی قرار دیا ہے اور واضح ہے کہ تمام انسانی عمل کے پس منظر میں علم کارفرما ہوتا ہے۔ کتاب نے متلاشیان علم کی امانت میں جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

امام غزالی اپنی کتاب احیا العلوم جلد اول (صفحہ پانچ) میں لکھتے ہیں کہ جو خصوصیت انسانوں کو چوپایوں سے ممتاز کرتی ہے وہ علم ہے انسان اس وقت تک انسان کہلاتا ہے جب تک انسانی شرافت کی باتیں اس میں موجود ہوں اور انسان کی شرافت جسمانی قوت کے باعث نہیں ہے کہ اونٹ اس سے زیادہ قوی ہے۔ نہ جسمت کے باعث کہ ہاتھی اس سے بہت جسیم ہے نہ شجاعت کے جب کہ درندے اس سے زیادہ شجاع ہیں نہ کھانے کے باعث کہ بیل کی غذا اس سے زیادہ ہے بلکہ انسان کا جو کچھ شرف ہے وہ علم کے

باعث ہے اور اسی علم کے لئے وہ پیدا ہوا ہے بعض حکماء کا قول ہے کہ کوئی یہ بتادے کہ جس کو علم نہ ملا اسے اور کیا ملا؟ اور جس کو علم ملا اس سے اور کیا باقی رہا۔

تمام حکماء فضلاء اور عقلاء اس پر متفق ہیں کہ عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور علم سے بڑھ کر کوئی کمال اور فضیلت نہیں۔ معاش ہو یا معاد دین ہو یا دنیا سب کا دارومدار علم پر ہے اور علم کا دارومدار کتاب پر ہے اور کتاب کا انحصار کتب خانہ پر ہوتا ہے۔

کتب کتاب کی جمع اور خانہ فارسی میں گھر کو کہتے ہیں۔ لفظی اعتبار سے کتب خانہ کا ترجمہ "کتابوں کا گھر" ہوتا۔ اس کے لئے عربی لغت میں مکتبہ، دار الکتب۔ خزانہ کتب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جبکہ قدیم عربی میں خزائن کتب کہا جاتا تھا۔

دنیائے اسلام کی سب سے پہلی کتاب "قرآن مجید" ہے جس کی ابتدا "اقراء" سے ہوئی۔ حضرت سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ "میری محسن کتاب" کے عنوان سے فرماتے ہیں " جاہلیت کے زمانے میں' میں نے بہت کچھ پڑھا ہے قدیم وجدید، فلسفہ، سائنس، معاشیات، سیاسات وغیرہ پر ایک اچھی خاصی لائبریری دماغ میں اتار چکا ہوں مگر جب آنکھ کھول کر قرآن کو پڑھا تو بخدا یوں محسوس ہوا کہ جو کچھ پڑھا تھا سب ہیچ تھا۔ علم کی جڑ اب ہاتھ آگئی ہے۔ کانٹ، ہیگل، نٹشے، مارکس، لینن اور دنیا کے تمام بڑے بڑے مفکرین اب مجھے بچے نظر آتے ہیں۔ بے چاروں پر ترس آتا ہے کہ ساری عمر جن گتھیوں کو سلجھانے میں الجھتے رہے اور جن مسائل پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں پھر بھی حل نہ کر سکے۔ ان مسائل کو اس کتاب مقدس نے ایک ایک دو دو فقروں میں حل کر کے رکھ دیا ہے۔ میری کتاب ہے اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے۔ حیوان سے انسان بنا دیا ہے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئی۔ ایسا چراغ میرے ہاتھ میں دے دیا کہ زندگی کے جس معاملے کی طرف نظر ڈالتا ہوں حقیقت اس طرح برملا دکھائی دیتی ہے کہ گویا اس پر پردہ نہیں ہے۔ انگریزی میں اس کنجی کو "شاہ کلید" کہتے ہیں۔ جس سے ہر تالا کھل جائے۔ سو میرے لئے یہ قرآن "شاہ کلید" ہے۔ مسائل حیات کے جس قفل پر اسے لگاتا ہوں کھل جاتا ہے۔ جس خدا

نے یہ کتاب بخشی ہے اس کا شکرادا کرنے سے میری زبان عاجز ہے"۔

یہ وہی کتاب ہے جو 1884ء میں ایک ایسے بچے کے ایمان کا ذریعہ بنی جس کی عمر صرف بارہ سال تھی اور جو سکھ مذہب سے تعلق رکھتا تھا کتاب نے اس کی کایا پلٹی اور وہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی بن کر اُفق عالم پر چمکا۔ کتاب کے بغیر کوئی بھی بڑا افلاسفر کوئی بڑا مصنف، کوئی بڑا محقق، کوئی بڑا مورخ، کوئی بڑا سائنس دان، کوئی بڑا موجد، کوئی بڑا کیمیا دان، کوئی برا ماہر فلکیات، کوئی بڑا ریاضی دان پیدا نہیں ہوا اور اگر پیدا ہو بھی گیا تو اس نے عملی زندگی نہیں پائی کیونکہ علم کی صبر آزما اور سنگلاخ راہ سے کمال کی منزل تک پہنچنے کی بجائے چھوٹی پلپلینکس اور سرکاری نوکری کے ذریعہ فخر وشہرت نام نمود پیدا کرنے کا راستہ ان کو زیادہ آسان نظر آتا ہے اور کتاب کا تقاضا ہے کہ علم کے سوا اس کے طالب کا کوئی اور مقصود نہ ہو۔ اسی لئے کارلائل کو کہنا پڑا تھا کہ" دنیا پر صرف کتابیں ہی حکمرانی کرتی ہیں"۔

دین وعلم کی ترویج میں کتب خانوں اور کتاب کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ مختلف زبانوں میں برگزیدہ پیغمبروں کی وساطت سے کلام الٰہی نے کتاب ہی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا رشتہ استوار کیا۔ کتاب، مذہب وتاریخ، عمرانیات، فلسفہ، سائنس غرضیکہ ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے گویا کتاب معلم ہے۔ اتالیق ہے دوست ہے کتاب ہی تو ہے جو انسان کے غموں اور دکھوں کا مداوا کرتی ہے اس کی تنہائیوں کی مونس اور رفیق ہے۔ یہ ایک ایسا دوست ہے جس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو، شہد کی مٹھاس اور خوابوں کا رس پایا جاتا ہے۔ اس دوست سے دھوکہ دہی، چاپلوسی، بے جا خوشامد اور اکتاہٹ کی بو نہیں آتی۔ جب تک آپ چاہیں کتاب خاموش رہتی ہے جب آپ بات چیت کرنا چاہیں تو فصاحت کے ساتھ بولنے لگتی ہے۔ اگر آپ کام میں مصروف ہوں تو خلل انداز نہیں ہوتی اور اگر تنہائی محسوس کریں تو ایک شفیق ساتھ بن جاتی ہے یہ ایک مزاج شناس دلبر ہے جس کی صحبت میں نیندیں حرام بھی ہوجاتی ہیں اور یہ تھپکیاں دے کر سلا بھی دیتا ہے اس سے انسانی آنکھوں کو نطق وسماعت کی قوت ملتی ہے۔ کتاب زمانوں کی وسعتیں ہے

فاصلوں کو قربتیں عطا کرتی ہے یہی ماضی کو حال اور مستقبل کے رشتوں میں پروتی ہے۔ یہ ماضی کا نور حال کا احساس اور مستقبل کا شعور ہے یہ فلسفے کی موشگافیوں۔ زمین کی وسعتوں آسمانوں کی نشانیوں اور سمندروں کے راز عطا کرتی ہے۔ یہ ذرے کا دل چیرنے کے ڈھنگ بھی بتاتی ہے اور ستاروں پر گمندیں ڈالنے کی قوت بھی بخشتی ہے غرض یہ کہ انسان کو غذائے ذہن اور غذائے روح بہم پہنچانے کا سب سے اہم ذریعہ کتاب ہے۔

حتمی طور پر یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا میں سب سے پہلے کتاب کب معرض وجود میں آئی۔ تاریخ اسلام پر نظر دوڑانے سے خالد بن یزید بن معاویہ کے پہلے کتب خانے کا نام آتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے پہلا کتب خانہ خود والئی دو جہان نبی کریم ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ جب ''سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات کو محفوظ کیا گیا تو وہ ایک کتب خانہ کی شکل اختیار کر گیا۔ وہ جذبہ جو آج ایک فن کار کو اظہار ذات کے لئے اپنے تخلیقی سرمائے کو پیکر میں ڈھالنے پر آمادہ کرتا ہے انسانی شعور کی پہلی صبح بھی موجود تھی۔ کاغذ ''قلم'' دوات اور مشین بہت بعد کے تکلفات ہیں۔ انسان نے اپنے تخلیقی نقوش اس وقت ابھارے جب وہ ابھی غاروں اور جنگلوں میں رہتا تھا۔ وہ جانے کب تک غار کی سنگین دیواروں اور پیڑوں کے تنوں کو اپنی تخلیقی کاوشوں سے سرفراز کرتا رہا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا آدمی نئے نئے سہارے معلوم کرتا رہا۔ ہڈیوں، پتوں خستی الواح اور پیپرس سرکنڈوں سے تیار کئے ہوئے کاغذ سے بھی کام لیا گیا۔ قدیم انسان کا سب سے گراں قدر سرمایہ جو ہم تک پہنچا اور جس نے ہمارے لئے دانش کے لئے دروازے کھولے اور جہالت کے اندھیرے دور کئے، پتھر کی سلون خستی الواح پیپرس میں محفوظ اور منتقل کیا گیا۔ اگر ہمیں نینوا کے اشور بنی پال کے شاہی کتب خانے کا سراغ نہ ملتا اور ہفت الواح ہم تک نہ پہنچتیں تو ہم وادی وجلہ و فرات کی دانش سے محروم رہتے۔ دنیا کی کوئی دولت اس کا بدل ثابت نہ ہوسکتی۔ اسی طرح نیل دیس کی کتاب ''دی بک آف دی ڈیڈ'' یا پتھر کی سلون میں ڈھلے ہوئے ستون اہرافیہ دریافت نہ ہوتے تو ہم دینی فلسفے کے ارتقا کی کہانی کبھی مکمل نہ کر سکتے۔ ہمیں حیات بعد از ممات۔

دوزخ۔ جنت۔ قیامت اور مرنے کے بعد کے نظام عدل کی نسبت اہم معلومات حاصل نہ ہوتیں۔ ماضی نے ہمیں جو کچھ دیا۔ اب کاغذی پیرہن اسے قبول کر چکا ہے اس طرح کتاب ماضی کی داستان گو۔ حال کی ترجمان اور مستقبل کی پیامبر۔ اولاد آدم کے احساسات کا محافظ خانہ۔ امیدوں کا اندوختہ۔ کامرانیوں کا گنجینہ اور عبرتوں کا مرقع۔ بسیط فطرت کا ایسا آئینہ کہ صاحب نظر اس جھانکے کبھی جھولے اور کبھی لرز کر رہ جائے۔ اسی کی بدولت شاعروں سے دوستانہ انشاپردازوں سے رابطہ۔ فلسفیوں سے میل جول سائنسدانیوں سے خلوص مندوں سے ملاپ۔ رندوں سے اختلاط۔ زاہدوں سے نامہ و پیام اور مفتیوں سے تبادلہ سلام ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ کتاب ایک عظیم الشان دلربا اور ان لمحات کی مونس و غمگسار ہے جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔

کتب ہی وہ ساتواں آسمان میں جہاں دنیا کے کاملین و عارفین کی روحیں بقائے دوام و حیات جاوید حاصل کرنے کے بعد مجتمع ہیں۔ یہ وہ مرکز ہے جہاں آفتاب علم کی پرنور شعاعیں اور خوبصورت کرنیں انسانی دماغوں کو روشن کرنے کے لئے ہمہ وقت بے تاب رہتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے زندہ رہنے کی خواہش محض کتاب کی وجہ سے ہے، میں اس سے محبت کرتا ہوں یہ میری بہترین ساتھی ہے۔

کتاب خانوں کو بجا طور پر فکر انسانی کے گنج ہائے گرانمایہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے یہ ماضی و حال کے مراکز اتصال ہیں یہاں انسان کی روحانی و ذہنی سفر کی تمام منزلیں نظر آتی ہیں۔ کتب خانوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہمیں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسے علم دوست خلفاء حکمران نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو دین و علم کی ترویج کے لئے وقف کر دیا بنوعباس کا عہد خلافت بجا طور پر اسلامی تاریخ کا عہد زریں کہلوائے جانے کا مستحق ہے۔ ہارون الرشید کے کتب خانہ دارالحکمہ میں چار لاکھ کتب تھیں جن کی مضمون وار درجہ بندی ہو چکی تھی۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کے کتابی

شوق کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ۔

''ان کو اپنے والد کی بہت بڑی جائیداد ترکے میں ملی تھی۔ کئی مسلم گاؤں تھے جن میں صرف وہ اور ان کے بڑے بھائی سید رشید الدین صاحب مرحوم شریک تھے۔ ابتدائی انگریزی عملداری کا زمانہ ارزنی اور اشیاء کی فراوانی کا دور ہر طرح کی فراغت اور فراخی حاصل تھی، لیکن ان کو عبادت الٰہی کے علاوہ صرف ایک ہی چیز کا شوق تھا وہ دینی کتابوں کا جہاں کہیں کسی دینی کتاب کا اشتہاد دیکھا۔ فوراً فرمائش روانہ کی اور پھر اس کے انتظار میں دن گننے لگے یہ شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ کسی کتاب کا انتظار تھا اور کسی صاحبزادی یا عزیز قریب کی تدفین میں شریک تھے۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے حافظ عبید اللہ صاحب سے کہا کہ عبید! ابھی تک وہ کتاب نہیں آئی؟ لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس موقعہ پر بھی ان کا دل کتاب میں لگا ہوا ہے اور یہاں بھی ان کو اسی کی فکر ہے۔

بحوالہ: پرانے چراغ جلد سوم صفحہ نمبر ۳۸۶

............☆☆☆............

☆......سلیم ساغر

ادب کا مطالعہ ناگزیر کیوں؟

ادب تحریک کا کام دیتا ہے۔ کسی سماج میں زندگی بسر کرنے والے افراد کی نفسیات، ان کی ترجیحات اوران کی روایات واقدار کو سمجھنے اوران کی تاریخی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی زندگی کی روح تک پہنچنے کے لئے اب سماج کے ادب کا مطالعہ ناگزیر بن جاتا ہے۔ کیونکہ ادب کسی ادیب کے انسان اور سماج کے مطالعہ کا نچوڑ ہوتا ہے جو وہ بڑی عرق ریزی کے ساتھ اپنی کسی تخلیق میں پیش کرتا ہے۔

انسان کا سب سے بڑا مطالعہ خود انسان ہی ہے۔ اس کے مطالعہ میں زمانۂ حال کو سمجھنے کے لئے اس کو دورِ ماضی کی عقدہ کشائی لازم ہو جاتی ہے اور پھر زمانۂ حال کو راہداری بنا کر مستقبل کے امکانات تلاش کرنے کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں۔ ادب انسان کے مطالعہ کا ایک کامیاب ذریعہ ہے۔ یہ قوموں کے عروج وزوال کی مستند دستاویز ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کسی قوم کے مختلف ادوار میں طے کئے گئے ترقی کے مراحل کی تاریخ اس کے مطالعہ سے مرتب دے سکتے ہیں۔ ادب سماج کے اعلیٰ اور تر دماغ افراد کی علمیت، تجربات اور مشاہدات کا ثمرہ اور نچوڑ ہوتا ہے جن کا سماجی شعور اس سماج کے لئے مشعل راہ کا کام کرتا ہے۔ ماضی کی شاندار روایات کو زمانۂ حال کے تقاضوں کے لئے مفید بنانے اور پھر ان کو مستقبل کی طرف منتقل کرنے کی ذمہ داری ادب کے سہارے ہی پوری کی جاسکتی ہے۔ وہ اقوام جو گردشِ لیل ونہار کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہوں۔ اپنے ادب کے مطالعہ سے اپنے شاندار ماضی کی بازیافت کیلئے پھر سے تحریک پاتی ہیں کیونکہ ادب ان کی سوئی ہوئی غیرت اور

طاقت کو بیدار کرتا ہے۔

انسان کی انفرادی اور سماجی زندگی پر نہ صرف ادب کی گہری چھاپ ہوتی ہے بلکہ ادب اس انفرادی اور سماجی زندگی کو ہی اپنا موضوعِ بحث بناتا ہے اور انسانی زندگی کے روشن اور تاریک پہلوؤں کو پیش کرنے کا فرض بھی ادا کرتا ہے۔ ادب زندگی کے حسن وقبح کی طرف فقط انگشت نمائی ہی نہیں کرتا بلکہ زندگی کی معنویت کو استحکام بخشنے کے امکانات تلاش کرنے کی راہیں بھی روشن کرتا ہے۔ ادب کا مطالعہ اس لئے بھی ناگزیر بن جاتا ہے کہ یہ قاری کے قلب ونظر کی گرہیں کھول دیتا ہے جو مہذبانہ اور خوش حال زندگی کیلئے بہت ضروری ہے۔

ادب کے مطالعہ کی ضرورت ہر مہذب دور میں رہی ہے خواہ ہی اس کی پیشکش اور مطالعہ کا انداز بدلتا رہا ہو۔ یہ ذی شعور اور زندہ قوموں کی پہچان رہی ہے کہ وہ اپنی تاریخ اور ادب سے غافل نہیں رہتیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر سائنسی مزاج پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ادب کا مطالعہ بھی کرتے رہیں تا کہ ہم زندہ اور ذی شعور قوم کی حیثیت سے پہچان بنا سکیں۔

(بحوالہ کشمیر عُظمیٰ سرینگر)

............☆☆☆............

☆......ماجد مقبول

ڈل کے دل میں بسا کتب خانہ

اندرون ڈل کے گدلے پانیوں سے گزرتے ہوئے گیٹ نمبر ایک کے نزدیک ایک جھونپڑے میں ڈل جھیل میں قائم واحد کتب خانہ موجود ہے جسے ٹراویلرس کتب خانہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 43 سالہ محمد لطیف اوتہ کی قائم کردہ اس کتب خانہ میں جرمن، فرانسیسی، اسپینی اور عبرانی زبانوں کی پانچ سو سے زائد منتخب کتابیں موجود ہیں۔ تیسری جماعت میں حصولِ تعلیم ترک کرنے والے لطیف کا کتابوں کو جمع کرنے کا ذوق اس کتب خانہ کے قیام کا بنیادی محرک بنا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لطیف پڑھ نہیں سکتا ہے مگر کتابوں میں اس کی جان اٹکی ہوئی ہے۔ کتابوں کی واحد پہچان لطیف کیلئے ان کا رنگ اور ناشر کا نشان ہے۔ علامہ اقبال کی ایک بڑی تصویر سے مزین دیوار پر یہ کتابیں قرینے سے کئی طاقوں پر رکھی گئی ہیں۔ فرانسیسی، جرمن اور دیگر غیر ملکی زبانوں کی کتابیں الگ سے چھوٹے چھوٹے طاقوں پر سجی ہیں۔ کتب خانہ کی ہر کتاب سے اس کتاب کے اصل مالک کی ایک یاد جڑی ہے جس نے لطیف سے اس کتاب کا تبادلہ کیا تھا۔ لطیف احتیاط سے این فلیمنگ کا ناول گولڈ فنگر کا اصل ایڈیشن نکالتا ہے جو اس کو کسی غیر ملکی سیاح نے تحفے کے طور پر دی ہے۔
اس کتب خانہ میں کئی کتابوں کے قدیم، نایاب نسخے موجود ہیں۔ میز پر فرانسیسی زبان کی پانچ کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔ چند روز قبل ایک فرانسیسی سیاح کتب خانہ کے لئے اپنی کتابیں لے کر آیا تھا۔

1988-89ء کے دوران جب لطیف سولہ سال کا ایک لڑکا تھا تو اسے ٹیری نام کے ایک غیر ملکی سیاح نے ایک پرانی کتاب کا اصلی ایڈیشن کا نسخہ تحفے میں دیا تھا۔ لطیف یہ کتاب پڑھ نہیں سکتا تھا لیکن اسے اس تحفہ میں چھپی محبت نے محصور کرلیا اور اس نے کتاب محفوظ کرنے کی ٹھان لی۔ ٹیری کا پیار بھرا تحفہ ایک سلسلہ کا محرک بن گیا اور لطیف کے سر میں کتابیں جمع کرنے کی دھن سوار ہوگئی۔ لطیف کو اچھی طرح یاد ہے کہ اس کو کتب خانہ کی پہلی کتابوں میں سے ایک 1990ء کے اوائل میں جنوبی ہند کے ایک مصنفہ انور دادتہ نے تحفے میں دی تھی۔ نوے کے عشرے میں جب مسلح شورش اپنے عروج پر تھی تو لطیف کو اپنی تمام کتابیں چھپانی پڑی تھیں۔ لطیف ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہیں کہ "بعض اوقات میرے والدین مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم یہ کتابیں کسی کباڑی کو کیوں نہیں بیچ دیتے"۔ "یہ سب کتابیں ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ میری یادیں وابستہ ہیں۔ ان چیزوں کی یادیں جن کو میں نے گزشتہ دو عشروں میں کھویا ہے۔"

میں خود تعلیم نہ حاصل کرسکا، مجھے چھوٹی عمر میں ہی اپنے کنبے کی کفالت کے لئے کام کرنا پڑا لیکن اب مجھے امید ہے کہ میرے اس خزانے سے میرے بچے پڑھ لکھ کر مستفید ہونگے۔ لطیف دو بچوں کا باپ ہے اور وہ اپنی روزی روٹی کے لئے دستکاریوں کا کاروبار کرتا ہے۔

لطیف نے کتب خانہ میں کتابوں کے مجموعے کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کا ایک دلچسپ طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ کتب خانہ کیلئے کتابوں کو بطور عطیہ نہیں مانگے وہ صرف کتب خانہ کے ساتھ کتابوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ لطیف کے مطابق اگر کتابیں عطیے کے طور پر دی جاتی ہیں تو لوگ اس کی قدر نہیں کرتے کیونکہ ان کو مفت میں مل جاتی ہیں۔ "اسلئے میں کتب خانہ کی کتابوں کا لوگوں سے تبادلہ کرتا ہوں"۔ اگر کوئی شخص اس کی کتب خانہ سے کتابیں مستعار لیتا ہے تو اس کو اپنا نام رجسٹر کرانے کے لئے 200 سے 300 روپے کی معمولی فیس ادا کرنا پڑتی ہے جو بطور سیفٹی ڈپازٹ ہوتی ہے اور یہ کتابوں کو واپس کرنے پر لوٹا دئے جاتے ہیں۔ چونکہ لطیف خود ان کتابوں کو تو پڑھ نہیں سکتا ہے جو اس نے جمع کر رکھی ہیں۔ وہ

انہیں پڑھنے کے لئے سیاحوں کو دیتے ہیں اور تبادلے میں وہ ان سے استدعا کرتا ہے کہ وہ انہیں یہ بتائیں کہ ان کتابوں کے صفحات میں کیا کچھ لکھا ہے۔ وہ کتابوں کے صفحات پر بکھری ہوئی کہانیوں کو سننے کے زبردست شائق ہیں۔اس کا کہنا ہے کہ اسی طریقے سے اس کو سلمان رشدی کے Midnight Children کے بارے میں معلوم ہوا ہے جس میں ڈل جھیل کے بارے میں کہا گیا کہ کسی وقت اس کا رقبہ 80 کلومیٹر تھا۔

وادی میں شورش شروع ہونے کے ساتھ ہی سیاحت کا شعبہ متاثر ہوا جس سے لطیف کے چھوٹے موٹے کاروبار کو زبردست نقصان پہنچا۔ اس کو کرناٹک جانا پڑا، وہ 1990ء کے بعد ہر سال چھ ماہ تک وہاں جا کر اپنی دستکاریوں کی مصنوعات فروخت کرتا تھا۔ وہ کتابیں لے کر وہاں گیا تھا۔اس کا کہنا ہے کہ میں اُن چھ ماہ کے لئے کتابیں اپنے ساتھ لے کر جاتا تھا۔وہ کتابوں کے ذخیرے میں اضافہ کرتا گیا۔ 2007ء کے بعد اس نے کرناٹک جانا ترک کر دیا اور ڈل جھیل میں مستقل طور اپنے گھر میں کتب خانہ قائم کر لیا۔ کتابوں کو قرینے سے سجانے کے لئے اس نے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے شیلف بنوائے ہیں۔وہ مزید کتابوں کے لئے نئے طاق بنانے کے خواہاں تھے مگر ڈل جھیل میں تعمیرات پر پابندی کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکا۔

جن غیر ملکی سیاحوں نے کتب خانہ دیکھا ہے۔انہوں نے لطیف کی کتابیں جمع کرنے کے جوش و جذبے کو سراہا ہے۔انہوں نے بھی کتب خانہ کے لئے کتابوں کا عطیہ دیا ہے۔لطیف کا کہنا ہے اس کی کتب خانہ میں زیادہ تر غیر ملکی ہی آتے ہیں۔اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ کچھ زیادہ کشمیری اس کتب خانہ میں نہیں آتے ہیں اور یہاں سے کتابیں پڑھنے کے لئے نہیں لے جاتے ہیں۔لطیف نے کہا کہ کتابیں جمع کرنے کے ذوق و شوق کی بناء پر میں کئی ممالک کے متنوع پس منظر والے لوگوں سے متعارف ہوا۔

لطیف اپنے کتب خانہ کے لئے مزید کتابیں اور زیادہ سے زیادہ طاق بنانے کا خواہاں ہیں۔اسے حیرت ہے کہ کشمیریوں نے کشمیر پر کم کتابیں کیوں تصنیف کی ہیں۔اس

نے کہا کہ کئی سیاحوں اور غیر ملکیوں نے میرا کتب خانہ دیکھا تو انہوں نے کشمیر پر مزید کتابوں کا مطالبہ کیا۔ لطیف نے اسلامیہ کالج کے حکام کے ساتھ رابطہ کیا تھا کہ اس کو کشمیر کے بارے میں کچھ کتابیں دی جائیں مگر انہوں نے کہا کہ وہ کتابیں آگ کی نذر ہوئی ہیں۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں تمام کتابوں کو سمونے میں دشواری کے باوجود لطیف کا اپنی چھوٹا موٹا کتب خانہ بند کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ شیلفوں پر کتابوں کے انبار لگے دیکھنے سے میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ مجھے ہمیشہ اگلے کتب بین کے شوق کی آمد کے خیال سے مسرت ہوتی ہے۔ وہ اس وقت نہایت خوش ہوتا ہے لوگ میرے ساتھ کتابوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔

جب تک میں زندہ ہوں، میں اس کتب خانہ کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا اور میں جہاں کہیں بھی جاؤں گا یہ کتابیں میرے ساتھ رہیں گی۔ یہ لطیف خیال، لطیف کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔

(بشکریہ: کشمیر عظمیٰ)

............☆☆☆............

☆......امتیاز عبدالقادر

قلم و قرطاس کی دُنیا
وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی !!

خوش گوار زندگی کے اسباب میں ایک یہ ہے کہ تنہائی میں کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، پڑھنے پر توجہ دی جائے اور عقل کو علم کے پہنچائے جائیں۔ جاحظ کتاب پڑھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ رنج وغم کی کیفیت دور ہو جائے۔ وہ کہتا ہے: ''کتاب ہی وہ ہم دم ہے جو تمہیں تکبر میں نہیں ڈالے گی۔ ایسا دینے والا جو تم سے کچھ مانگے گا نہیں۔ ایسا دوست ہے جو تمہیں کبھی اشتعال نہیں دلائے گا، ایسا رفیق ہے کہ جو تمہیں افسردہ نہ کرے گا، ایسا پڑوسی جو تم سے آگے نکلنا نہیں چاہے گا۔ ایسا دوست جو خوشامد تملق سے تمہارا مال لینا نہیں چاہے گا، تمہارے ساتھ فریب کا معاملہ نہیں کرے گا، وہ جھوٹ بولے گا نہ نفاق سے دھوکہ دے گا۔ کتاب ہی وہ دل نواز ہے جس کو دیکھو تو تمہاری مسرت بڑھے گی، ذہن میں تیزی آئے گی...... پاکیزہ نفس عمدہ ہوگا، سینہ آباد ہوگا۔ لوگ آپ کی تعظیم کریں گے، بڑے لوگ دوست بنیں گے...... جو تعلیم سے کماتے ان کو اوروں کے دروازہ پر کھڑا نہیں ہونا پڑے گا، اس کے آگے بیٹھنا نہیں پڑے گا جو اخلاق میں آپ سے کم تر ہیں۔ کتاب تمہاری اطاعت رات میں بھی ایسے ہی کرے گی جیسے دن میں، سفر وحضر میں یکساں تمہارا کہا مانے گی۔ وہ نہ نیند کا بہانہ کرے گی نہ رات میں جگنے کا۔ وہ ایسا معلم ہے جس کی آپ کو ضرورت پڑے تو کبھی پیچھے نہ ہٹے گا، تم اس کو پڑھنا چھوڑ دو تب بھی اس کا فائدہ ختم نہ ہوگا۔ کتاب تمہیں بُرے ہم نشین کے

ساتھ بیٹھنے سے روکے گی...... مطالعہ سے اصل اور فرع دونوں کا حصول ہے۔ اس طرح کتاب صرف آپ کو بے کار خواہشوں، لہو ولعب اور آرام پسندی سے بھی روک دے تو یہ بھی اس کا آپ پر زبردست احسان اور کرم ہوگا۔ خالی اوقات گزارنے کا بہترین طریقہ کتب بینی ہے۔ یہ آبرو کی حفاظت اور دینی اصلاح کا اچھا ذریعہ ہے"۔

جاحظ کے ان زرین خیالات کے برخلاف آج قوم وملت مجموعی طور پر کتابوں سے لاتعلق ہو چکی ہے۔ یہ ہماری حرماں نصیبی ہے کہ جس امت کو تحصیلِ علم پر سب سے زیادہ زور دیا گیا وہی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے، جس کے سپرد بنی نوع انسان کی رہنمائی اور رہبری کا منصب ہے وہ خود جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے، جن کے اسلاف وقت کے امام، استاد اور مرجع خلائق تھے، آج وہی امت اپنے علم کے موتی نیلام کر کے غیروں کے اشاروں پر چلتی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے مفلسی، غلام، قلاشی، لاعلمی، مرعوبیت اور احساس کمتری امت کا مقدر بن چکی ہے۔ "خفتہ را خفتہ کُند بیدار" کے مصداق ہم سوتے رہے ثُریا نے آسمان سے ہم کو زمین پر دے مارا۔ اپنے اسلاف کے کارناموں کی ہم نے قدر نہیں کی، غیروں نے اُن کتابوں کو پڑھا، سمجھا اور ان کی خوشہ چینی کی اور زمانہ گواہ ہے کہ وہ آج اَوج ثریا تک جا پہنچے۔ NASA میں آج بھی ہمارے اسلاف کے کتابوں کی ورق گردانی ہوتی ہے اور ہم عمر خیام، ابن سینا، ابن الہثیم، البیرونی، رومیؔ، اقبالؔ، مولانا مودودی وغیرہ سے نابلد ہیں۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ
تجھے اسلاف سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارہ

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ مہلب نے بیٹوں کو وصیت کی تھی: "فرزندو! بازار میں بس دو جگہ ایسی ہیں جہاں تم ٹھہر سکتے ہو ایک کھانا بنانے والے یا جلد ساز کی دکان پر۔

ابن الجہم کہتے ہیں: ''جب میں کسی کتاب کو منگواتا ہوں اور اسے اچھا یا مفید پاتا ہوں تو تم مجھے دیکھو گے کہ پڑھتا ہوا یہ دیکھتا ہوں کہ کتنے ورق باقی بچ گئے۔ یہ ڈر رہتا ہے کہ کتاب ختم ہو جائے گی اور اس کے فوائد سے محروم ہو جاؤں گا۔ ہاں اگر کتاب بڑی اور ضخیم ہوتی ہے تو میری خوشی کا کیا کہنا، بس زندگی مل جاتی ہے''۔ سب سے بلند اور ارفع کتاب، اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے، جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ''یہ کتاب آپ ﷺ پر نازل کی گئی تا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ لوگوں کو خبردار کریں اور مومنین کو یاددہانی کرائیں، آپ ﷺ کا سینہ اس کے لئے بالکل کھلا ہونا چاہیے''۔ (البقرۃ)

ابن الحسن عباسی کو مطالعہ تفاسیر کا اتنا شوق تھا کہ فرماتے ہیں: ''میں نے تفسیر میں چھوٹی بڑی ایک سو سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ بسا اوقات صرف ایک آیت کے مطالعے کے لئے میں نے سو (۱۰۰) تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے''۔

یہ علم سے وابستگی کا دور تھا۔ کُتب بینی ہمارے اسلاف کے لئے روح کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر طرف علم کا چرچا تھا، یہ دینی و دنیاوی علم کی تفریق نہیں تھی۔ صرف شہرِ بغداد میں چھ (۶) ہزار کُتب خانے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کی ذاتی لائبریری میں تقریباً چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ قرطبہ کے کتب خانے میں چار لاکھ نادر کتابیں موجود تھیں، جس کی فہرست کتب 44 جلدوں میں مکمل ہوئی۔ تاریخ کے اوراق جب پلٹتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بغداد کی ایک گلی میں کتابوں کی سو (۱۰۰) دکانیں تھیں اور آج حالت یہ ہے کہ بڑے بازاروں میں مشکل سے ایک یا دو کتب فروش ملیں گے وہ بھی بے کار اور خریدار کے لئے سراپا انتظار......!

علومِ تفسیر، حدیث، فقہ وسیَر کے علاوہ عربوں کی تحقیقاتی کتابیں اسپین، فرانس، اٹلی اور انگلستان میں پہنچ گئیں اور جب یورپ میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں تو یہی مسلمان اسکالروں کی کتابیں نصاب میں درج کی گئیں۔ یوں مسلمانوں کی لکھی ہوئی سائنسی اور فلکیات کی کتابیں یورپی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں چار سو سال تک پڑھائی جاتی رہیں،

کیونکہ اٹھارویں صد عیسوی تک یہی تعلیم کا مستند ذریعہ تھا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی کتاب "Glimpses of world History" میں رقمطراز ہیں: ''عربوں سے پہلے ہندوستان، چین، مصر کسی جگہ سائنٹفک علم نہیں تھا۔ عربوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور جدید سائنس کے بانی "Father of Modern Science" کہلانے کے مستحق ہیں''۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عالمِ مغرب میں بارہویں صدی عیسوی تک وحشت، ظلمت اور حیوانیت کا دور تھا۔ خود یورپ والے اسے دورِ ظلمت (Dark age) کہتے ہیں۔ عیسائیت جب یورپ پہنچی تو تحریف وتبدل کے بعد پاپائیت کی شکل اختیار کرلی۔ مسلمانوں نے جب علم کی روشنی اسپین سے یورپ میں پہنچانا شروع کیا تو اس پاپائیت نے حصولِ علم اور تہذیب وفکر کی ترقی پر ایسی قدغنیں لگائیں اور اہلِ علم کو ایسی اندوہناک سزائیں دیں کہ انسانیت شرمندہ ہوجاتی ہیں۔ مغربی تہذیب جو کہ فی الوقت اپنے عروج پر ہے، اُس وقت انہوں نے علم وحکمت، فکر وفلسفہ، سائنسی وسماجی علوم کے حصول کو کبیر گناہ اور قابل تعزیر جرم جانا۔ اس ''جرم'' کے لئے Court of requisition کے نام سے عدالتیں قائم ہوئیں۔ اس اندھی عدالت نے پہلے 2000 تلاشیانِ علم، مغربی افراد کو زندہ جلادیا اور 17000 کو دیگر سزائیں دیں۔ پہلے دس برسوں میں 17000 افراد کو زندہ جلادیا اور ایک لاکھ افراد کو قید وبند کی شدید صعوبتیں دیں۔ پاپائی عدالت نے 1801ء سے 1808ء کے درمیانی عرصہ میں ساڑھے تین لاکھ افراد کو المناک سزائیں دیں اور 32 ہزار کو زندہ جلادیا۔ حتیٰ کہ ان کا محسن گلیلیوں (Gelilio) بھی اس سزا سے نہ بچ سکا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان حیوان نما انسانوں اور مفسدانہ تہذیب کے متوالوں نے اسکندریہ کے کتب جانے (Liabraries) سے سات لاکھ کُتب اور طرابلس کے کتب جانے سے تین لاکھ کتب چُرا کر جلادیں۔ اسپین میں پانچ لاکھ اور سسلی میں تین لاکھ کُتب جلائی گئیں۔ رابرٹ ریفالٹ کی ''معرکہ مذہب وسائنس'' اور ویل ڈیورانٹ کی "Age of faith" مغرب کی فکری غربت، اخلاق پستی، انسانیت کشی اور علم دشمنی کی

گواہ ہیں۔ حالت یہ تھی کہ اٹھارویں صدی تک لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت بکتا تھا۔ یہ افسوس ناک حالت تھی آج کے ''مہذب متمدن مغرب'' کی اور جب انہوں نے ہوش کے ناخن لیے تو ہمیں سُلا کر خود آگے نکل گئے۔ آج ہمارا پیر و جوان اگر حصولِ علم چاہتا بھی ہے تو اس مشینی دور نے اس کے لئے internet کی ''سہولت'' مہیا رکھی۔ سرسری اور سطحی علم بہم پہنچنا اب آسان ہوگیا حالانکہ ''شیخ گوگل'' (Google) وہ مقام ہرگز حاصل نہیں کرسکتا جو برسوں عرق ریزی اور خون پسینہ ایک کر کے ہمارے اسلاف اور اسکالروں وعلماء نے تحقیق کر کے کتابوں کے صورت میں ہمارے سامنے رکھا۔ نامساعد حالات میں بھی انہوں نے قلم وقرطاس سے علیٰحدگی اختیار نہیں کی بلکہ اس کی پرورش کرتے رہے۔ ابن الاثیرؒ چلنے پھرنے سے محروم تھے لیکن اس حالت میں بھی اپنی شاہکار کتابیں مثلاً ''جامع اصولؒ'' اور ''النھایۃ'' لکھیں۔ امام سرخسیؒ نے اپنی ''کتاب المبسوط'' کی پندرہ جلدیں اس وقت لکھیں جب انہیں کنویں میں بند کر دیا گیا تھا۔ ابن القیم نے ''زادالمعاد' حالت سفر میں لکھی۔ علامہ قرطبیؒ نے ''صحیح مسلم'' کی شرح کشتی کے اوپر لکھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تمام فتاویٰ اسیری کی حالت میں لکھے گئے۔ فقیر اور غریب ہونے کے باوجود محدثین نے ہزاروں لاکھوں احادیث اکٹھی کیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن کا بیشتر حصہ ودیگر کتب قیام اسیری میں ہی قلمبند کیں۔ یہ ہمارے محسنوں کی مختصر فہرست ہے۔ لیکن ہم نے ان محسنوں کی قدر نہیں کی، اسلام کے متعلق اگرچہ جدید طبقہ کچھ معلوم کرنا ہی چاہتا ہے تو وہ اپنے ہی محسنوں کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ متشرقین سے سند حاصل کرتا ہے۔ اس سے بڑی بدنصیبی اور احسان فراموشی اور کیا ہوسکتی ہے ع

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

وہ قوم کبھی بھی کامیابی اور سرخروئی کے زینے طے نہیں کرسکتی جن کو اپنے اسلاف کے نام و کارناموں کی قدر نہ ہو۔ بالخصوص علم کے حوالے سے ہمیں اس دورِ تنزّل میں اپنے

اسلاف کے نقش قدم پر پڑی دبیز گرد کو صاف کر کے ان کا تتبع کرنے کی ضرورت ہے۔تب ہی ہم فائز المرامی کا وہ گم گشتہ مقام حاصل کر سکتے ہیں جس پر کبھی ہم قدم رنجہ کئے ہوئے تھے۔

علم ہے سعادت ، سیادت، عبادت
علم ہے حکومت ،دولت، طاقت

............☆☆☆............

علم کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا

علم کی گراں مایہ دولت حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی تکالیف اور مشقتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہنا چاہیے اور تحصیلِ علم میں برابر لگے رہنا چاہیے کہ دنیا کی ادنیٰ شئے بھی بدون محنت ومشقت کے حاصل نہیں ہوتی۔

عربی کا شاعر کہتا ہے: (ترجمہ)

(تمہاری خواہش ہے کہ بغیر تکلیف اور مشقت اٹھائے
ہوئے بڑے فقیہ اور عالم بن جاؤ، پاگل پن اور جنون
ہے کیونکہ جب مال ودولت کا حصول مشقت برداشت
کیے بغیر نہیں ہوسکتا تو پھر علم جو اس سے بدر جہا بلند وبالا
ہے اس کا حصول مشقت کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے؟)

اصحاب صفہ نے اس راہ میں بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور بڑی تلخیاں برداشت کی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کے پاس آتے تو تسلی دیتے ہوئے فرماتے:

"لو تعلمون مالکم عند الله تعالیٰ لأ حیتم أن تزدادوا فاقةً و حاجةً"

............☆☆☆............

☆...... مظفر احمد شاہ

کتاب سے دوری کیوں؟

کسی بھی کتاب کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے عنوان سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس کا مواد قاری کو اپنی گرفت میں محصور کر لے۔ کتاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے قاری کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور سوچ وسیع ہوتی ہے۔ قدرتی طور پر جو خدا داد صلاحیتیں انسان میں موجود ہوتی ہیں ایک اچھی کتاب انہیں اُبھارنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ آج کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ نوجوان نسل کتاب سے دور ہے۔ یا اگر اس نسل کو قرب بھی حاصل ہے تو چند مخصوص ناولوں اور کچھ شاعری کی کتابوں سے...... ان دو کے علاوہ باقی کتابوں سے آج کی جوان نسل بالکل ناواقف ہے۔ کتاب سے اس دوری کی سب سے بڑی اور اہم وجہ انٹرنیٹ کی موجودگی ہے۔ بے شک انٹرنیٹ ایک بہت فائدہ مند چیز ہے' صرف ایک کلک سے مطلوبہ معلومات حاصل ہو جاتی ہے مگر کئی جگہوں پر انٹرنیٹ ہار جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ وقتی طور پر تو مطلوبہ معلومات سے استفادہ کر کے کام نکال لیا جاتا ہے مگر کیونکہ کام عجلت میں کیا گیا ہوتا ہے تو بات ذہن میں نہیں ٹھہرتی اس کے برعکس اگر بات کتاب کی ہو تو اس سے نہ صرف مطلوبہ معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ اس بات یا چیز سے منسلک اور بھی مواد ملتا ہے اور کیونکہ کتاب سے نتیجہ خود اخذ کرنا ہوتا ہے تو یوں بات بھی ذہن میں ٹھہر جاتی ہے۔ انٹرنیٹ کے علاوہ کتابوں سے دوری کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جیسے طلباء کا وہ وقت جو کتابوں کی ورق گردانی میں صَرف ہوتا تھا اب فیس بک اور ٹیلی ویژن کے ڈراموں کی نذر ہو جاتا ہے۔ ان کی فراغت پر موبائل فون تھام

لیا جاتا ہے۔ جہاں کتاب سے دوری کی ذمہ دار لا حاصل کاموں میں وقت ضائع کرنے والی نوجوان نسل ہے وہیں اس دوری کے ذمہ دار اس نسل کے والدین بھی ہیں۔ کیونکہ یہی والدین اپنی محبت اور زمانے کے ساتھ چلنے کو وجہ بنا کر کمسنی میں ہی اپنے بچوں کو موبائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور وڈیو گیمز سے روشناس کر دیتے ہیں جس وجہ سے بچہ کتابوں سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ رہی سہی کسر اساتذہ کی عدم توجہی اور اپنے فرض سے غفلت پوری کر دیتی ہے۔ جب والدین اور اساتذہ ہی اپنا فرض صحیح طور سے ادا نہیں کریں گے تو بچے کو کتاب کی اہمیت، افادیت اور وقعت کا کیسے پتہ ہوگا؟ اور جب بچپن میں ہی کتابوں سے رغبت نہیں ہوگی تو جوانی میں ایسا کیسے ممکن ہے؟ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ جب بھی کوئی قوم زوال کا شکار ہوئی اُس کے زوال کی اہم وجوہ میں کتابوں سے دوری بھی شامل تھی۔ اپنے زوال سے بچنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کتابوں کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔

(بحوالہ آفتاب جون ۲۰۱۲)

............☆☆☆............

☆......سمیر احمد

زبانوں کا زوال

ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں اس وقت پانچ ہزار زبانیں بولی جارہی ہیں۔ان میں سے ننانوے فی صد زبانوں کا تعلق براعظم ایشاء، افریقہ، بحراوقیانوس اور شمالی و جنوبی امریکہ سے ہے۔صرف ایک فی صد زبانوں کا تعلق براعظم یورپ سے ہے۔صرف نائیجیریا ہی میں بولی جانے والی زبانوں کی تعداد تقریباً چار سو ہے۔اسی طرح برعظیم پاک وہند کی سرزمین ۶۸۲ زبانوں سے مالا مال ہے۔وسطی امریکہ کے محدود خطے میں رہنے والے بھی ۲۶۰ زبانوں کے حامل ہیں۔ یہ سب زبانیں مل کر رنگا رنگ دنیا کی خوب صورت تصویر پیش کرتی ہیں۔زبانوں کی یہ رنگا رنگی نہ صرف زبان کی حامل قوم کو اپنی وسیع تر اقدار کو محفوظ رکھنے میں مدد دیتی ہے بلکہ دنیا بھر کی زبانوں کو الفاظ کے باہمی تبادلے کی صورت میں نئے نئے تصورات سے بھرپور بھی کرتی ہے۔دنیا ہمیشہ سے اس رنگا رنگ ورثے کی مالک رہی ہے لیکن گزشتہ چند دہائیوں سے یہ صورتِ حال تیزی سے بدل رہی ہے اور رفتہ رفتہ زوال کی جانب گامزن ہے۔

زبانوں کے زوال کا ایک پہلو یہ ہے کہ عالم گیریت (Globalization) اور دنیا پر مغربی تہذیب تھوپنے یا بالرضا اختیار کرنے کے نتیجے میں آئندہ صرف سو بڑی زبانوں کے علاوہ باقی زبانوں کا وجود خطرے میں ہے۔زبانیں دنیا سے اس طرح ختم ہورہی ہیں جس طرح جانوروں اور پودوں کے بہت سے انواع (Species) ماحولیاتی تغیر کی بناء پر

تیزی سے معدوم ہو رہی ہیں۔ امکان ہے کہ کچھ عرصے بعد جانوروں اور پودوں کی بہت سی انواع کا ذکر صرف تاریخ کے صفحات میں رہ جائے گا۔ بالکل یہی معاملہ زبانوں کے ساتھ بھی ہے۔ زبانوں کے خاتمے کے نتیجے میں ان زبانوں سے وابستہ پوری پوری تہذیبیں ختم ہو رہی ہیں۔ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان زبانوں کا احوال آئندہ صرف تاریخ میں پڑھا جا سکے گا۔

ہر زبان اپنی جدا فطرت اور حسن کی مالک ہے۔ خوشی وغم کے تجربات اور واقعات کی روانی سے اپنا فہم اخذ کرنے کا انداز ہر زبان کا جدا ہے۔ محبت، نفرت، خواب اور بحث ومباحثہ غرض ہر جذبے کے لیے ہر زبان اپنا منفرد پیرایہ اظہار رکھتی ہے۔ اردو، جرمن، عربی، فارسی اور بے شمار زبانیں اپنی اپنی جگہ بے حد اہم ہیں۔ جس طرح ماحولیاتی توازن کے لیے پودوں اور جانوروں کی ایک ایک نسل اہم ہے۔ اسی طرح ایک زبان بھی ایک پوری تہذیب کی وارث ہے جو نہ صرف اس تہذیب کی تفہیم اور اظہار کا ذریعہ بھی ہوئی ہے۔ جس طرح پودوں اور جانوروں کی کسی ایک نوع کے خاتمے کا مطلب ایک پورے ماحولیاتی نظام کا خاتمہ ہے، اسی طرح ایک زبان کے خاتمے کا مطلب بھی ایک تہذیب کے خاتمے کا باقاعدہ اعلان ہے۔

مختلف زبانوں کے خاتمے کے منظّم عمل کا آغاز ٹیکنالوجی کی گزشتہ چند دہائیوں میں ہونے والی ترقی واختراع سے منسلک ہے۔ پچھلی چھ دہائیوں میں کئی زبانوں کے خاتمے کے ساتھ ادراک انسانی کے مختلف دائروں کا بھی اختتام ہو چکا ہے۔ انٹرنیٹ، ملٹی نیشنل کمپنیاں، ٹی وی چینلز اور معاشرے میں معاشی اقدار کا غلبہ اس زوال کی اہم وجوہ ہیں۔ معلومات کے ان جدید ذرائع نے تحریری مواد کا تجزیہ کرنے والوں کی جگہ تماشائیوں کو جنم دیا ہے۔ دنیا بھر اور خود انگریزی بولنے والے ممالک میں ہونے والے انگریزی زبان کے امتحانات کے نتائج زبان کی مہارتوں میں مسلسل انحطاط کو ظاہر کر رہے ہیں۔ انٹرنیٹ بلاشبہ معلومات عام طور پر صرف انگریزی میں دستیاب ہیں جس کی وجہ سے طلبہ اور دیگر افراد کا ربط

اپنی زبانوں کے مقابلے میں انگریزی سے بہت زیادہ بڑھ چکا ہے۔ انٹرنیٹ نے کتابوں کے مطالعے کے رجحان کو بے حد کم کر کے طلبہ میں انٹرنیٹ کی معلومات کی محفل نقل (Copy & Past) کے رجحان کو فروغ دیا ہے جس کے نتیجے میں زبان کی مہارتوں کے علاوہ خود مطالعہ کر کے نتائج اخذ کرنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحتیں بھی زوال کا شکار ہو رہی ہیں۔

زبان بحیثیت ایک معاشرتی ادارہ اور بحیثیت ثقافتی ورثہ زوال کا شکار ہے۔ اس زوال کے مختلف پہلو اور زاویئے ہیں۔ اس صورت حال کا دوسرا اور اہم ترین پہلو یہ ہے کہ شرق تا غرب زبان دانی کی صلاحیت زوال پذیر ہے، بچوں اور بڑوں میں اپنے مافی الضمیر کو زبانی اور تحریری شکل میں ظاہر کرنے کی صلاحیت میں کمی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ مغربی دنیا میں زبان کے اساتذہ طلبہ میں تخلیقیت اور خیال و تاثر (Inspiration & Idea) کے دائرے کو محدود ہوتا دیکھ کر فکر مند ہیں، زبان دانی کے زوال پر (BCC) اور (British Council) سمیت دیگر اداروں کے تجزیوں اور سروے رپورٹوں کا ڈھیر موجود ہے لیکن بات یہیں تک محدود نہیں کہ طلبہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنے میں مشکلات کا شکار ہیں بلکہ صورت حال کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ زبانیں اپنے املاء اور انشاء پردازی کی روایت کی منتقلی میں بھی مشکلات کا شکار ہیں۔ اس کے علاوہ بحث و استدلال اور تجزیہ کی صلاحیت بھی الیکٹرونک میڈیا کے استعمال کی بناء پر زوال کی جانب گامزن ہے۔ E Government, E Papers, E Education Commerce, MCQs, Online جیسے تصورات اور عوامل نے طلبہ اور معاشرے کے دیگر افراد کی تحریری صلاحیت کو نقصان پہنچایا ہے۔ مطالعہ انٹرنیٹ تک محدود ہوتا جا رہا ہے۔

انٹرنیٹ کے مقابلے میں کتب بینی زیادہ فوائد کی حامل ہے۔ کتب بینی علم حاصل کرنے کے خاص مقصد کو سامنے رکھ کر پڑھی جاتی ہیں جب کہ انٹرنیٹ کثیر المقاصد اور بیک وقت کئی جہتیں رکھنے والا ذریعہ ہے۔ اس کے مقابلے میں کتابیں انٹرنیٹ کی طرح نہ تو اشتہار بازی کا شاہکار ہوتی ہیں اور نہ ہی اپنے اندر تفریح کے بے جا اور فضول مواقع رکھتی

ہیں۔ اس طرح کتابوں کے مطالعے کے دوران قارئین پوری یکسوئی کے ساتھ متعلقہ موضوع کا احاطہ کر لیتے ہیں مگر انٹرنیٹ کا ذریعہ معلومات اپنے اندر تفریح حتیٰ کہ فضولیات کے زندہ امکانات رکھتا ہے لہٰذا قارئین کی مکمل دل چسپی اور یکسوئی مشکل سے قائم ہو پاتی ہے۔ روایتی کتابوں میں مصنّفین صورت حال اور تصورات کا الفاظ کی شکل میں متشکل کر کے قاری کی قوّت متخیّلہ کو استعمال کرتے تھے مگر اب زیادہ تر افسانوی ادب بھی اپنی تحریری شکل کے بجائے فلم کی شکل میں سامنے آتا ہے لہٰذا فرد کی قوتِ متخیّلہ کے حامل نسل کے بجائے تماشائیوں کا غول تیار کیا جا رہا ہے۔

زبان دانی کی صلاحیت کے ضمن میں یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ نئی نسل میں زبان دانی کی صلاحیت کا فروغ، خاندانی اقدار اور مذہب سے تعلق میں پوشیدہ ہے۔ خاندانی نظام میں گھر کے بزرگ نئی نسل کو زبان اور اقدار کی منتقلی کا بڑا ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے خاندانوں میں بچے، خاندانی اقدار کے علاوہ بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ دار بچوں کے ساتھ روزمرہ کی زندگی گزارنے اور ان سے مقابلے کے نتیجے میں ساتھ ساتھ زبان کے اظہار کی صلاحیت سے بھی بہرہ مند ہوتے ہیں۔ راقم السطور نے اپنے دادا اور دادی سے کہانیوں کی صورت میں تہذیبی اقدار اور الفاظ کا ذخیرہ حاصل کیا۔ جدید تہذیب اپنے جلو میں اولڈ پیپلز ہوم اور فلیٹوں کی رہائش کا نظام کر آئی ہے۔ جس نے بچوں لے ذخیرۂ الفاظ کو اور زبان کو بھرپور (Enrich) کرنے والے خاندانی نظام کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اگر پاک و ہند کے خصوصی تناظر میں دیکھا جائے تو زوال پذیر صورت حال کے باوجود یہاں کی نئی نسل اپنے مافی الضمیر کے بہتر زبانی اور بڑی حد تک تحریری اظہار پر قادر ہے۔ یہ صلاحیت موجود ہے اگر چہ زوال پذیر ہے اور ماضی کے مقابلے میں کمزور بھی۔ پاک و ہند کے جدید صنعتی و معاشی معاشرے میں ڈھلنے سے قبل ہندوستان نے سرسید، شبلی، حالی، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر، اقبال، اکبر الہٰ آبادی اور ابوالکلام آزاد جیسے لوگ پیدا کیئے مگر تقسیم ہند کے بعد ایسی عبقری شخصیات ناپید ہو گئیں حالانکہ فی زمانہ دنیا بھر کی طرح برصغیر

میں پرنٹ والیکٹرانک میڈیا زیادہ ترقی یافتہ ہو چکا ہے۔ پڑھنے اور لکھنے کے حوالے سے جس قدر سہولیات آج موجود ہیں ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس صورت حال کے باوجود تخلیقی تحریر (Writing creative) جنسِ نایاب ہے۔

ہندو پاک کا معاشرہ تیزی سے صنعتی معاشروں میں تبدیل ہو رہا ہے اس لیے معاشرے کی اقدار بھی تبدیل ہو رہی ہیں۔ خاندانی و مذہبی اقدار کی جگہ معاشی اقدار لے رہی ہیں۔ مغرب کی تقلید کے نتیجے میں زبانوں کا زوال، تہذیبی زوال کا اعلان ثابت ہوا ہے۔ زبان تو خود ذریعہء اظہار ہے فرد کی ذات کا مگر افراد کا یہ اظہار ان کے اپنے دائرہ اقدار کا پابند ہوا کرتا ہے۔ مغرب کی تقلید کے نتیجے میں دنیا بھر میں سوچ کے زاویے جس طرح تبدیل ہوئے ہیں اور تہذیب کا غیر اعلان شدہ زوال ہو رہا ہے اس کا نتیجہ زبانوں کے زوال کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اعلیٰ اقدار اور اعلیٰ خیالات کی ترسیل کے لیے، اعلیٰ الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے مگر جب خیالات و اقدار ہی اپنے سطح سے گر جائیں تو ان کے اظہار کے لیے بلند الفاظ کی بھی ضرورت نہیں رہتی لہٰذا ایسے الفاظ متروک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس عمل کی وضاحت اس مثال سے کی جاسکتی ہے کہ ایک طالب علم کو کراچی کے کسی پارک کی منظر کشی کرنی ہو تو اس کے الفاظ اس طالب علم کے مقابلے میں مختلف ہوں گے جسے جھیل سیف الملوک اور اس کے اردگرد کے سرسبز و شاداب علاقے کو بیان کرنا ہو۔ مختصر یہ کہ مذہبی معاشروں کی غیر مذہبی معاشروں میں تبدیلی کے عمل میں دراصل انسان، انسانی اقدار سے دور ہو کر مادّہ پرست، آلات اور مشینوں کا غلام، سرمائے اور معیار زندگی کا حریص ہوتا جا رہا ہے۔ اس ماہیتِ قلب کا اظہار دراصل زبان کے زوال کی شکل میں ہو رہا ہے۔

الفاظ، خیالات کے محتاج ہوتے ہیں اور خیالات کا تعلق انسان کی اندرونی کیفیت دانی اور معاشرے کی ساخت سے ہے۔ ماضی میں طلبہ اور معاشرے کے دیگر افراد کا اپنی خاندانی اور مذہبی اقدار اور وطن سے بہت گہرا تعلق تھا لہٰذا خیالات کی سطح بھی اسی طرح بلند تھی۔ مگر معاشی اقدار اب جس طرح خاندانی و مذہبی اقدار کی جگہ لے رہی ہیں اس

کے نتیجے میں فرد اور معاشرہ دونوں زیادہ سے زیادہ سرمایہ (Capital) سے وابستہ ہو گئے ہیں اور زبانیں اب محض سرمائے میں اضافے کا ایک آلہ بن گئی ہیں۔ اسی لیے کہا جا رہا ہے (Language becomes a Commodity) لہٰذا افراد کا ذخیرۂ الفاظ بھی محدود ہوتا جا رہا ہے اور زبان دانی کی صلاحیت بھی۔ اس سلسلے میں چین میں ہونے والی معاشرتی و خاندانی تبدیلی کا مطالعہ بے جا نہ ہوگا۔ چین میں والدین صرف ایک بچے کی پرورش کر سکتے ہیں، دوسرے بچے پر قانونی پابندی ہے۔ اس صورت حال نے چینی خاندان کی ساخت کو مسخ کر دیا ہے۔ چینی بچے بہن بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان بنیادی رشتوں سے وابستہ دیگر رشتوں مثلاً کزن وغیرہ کا شعور نہیں رکھتے۔ اس طرح چینی معاشرہ بہترین صنعتی کارکن تو تیار کر رہا ہے مگر وہ ایسے بنیادی رشتوں کے حسن و قبح کے تانے بانے سے لاعلم ہے جس سے اس کا ماضی عبارت رہا ہے۔ جدید دور کا چینی بچہ ان رشتوں سے جنم لینے والی محبت اور نزاکت کا ادراک نہیں رکھتا لہٰذا الفاظ واقدار کی ایک بھر پور دنیا سے محروم رہتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ فرد کا ذاتی تعلق اور تجربہ ہی ادب عالیہ کی بنیاد اور اک عالمگیر احساس قرار پاتا ہے۔ خلاء کبھی باقی نہیں رہتا لہذا چینی معاشرہ، معاشرتی خاندانی اقدار کے خلاء کو معاشی و صنعتی اقدار سے پر کر رہا ہے۔

............☆☆☆............

☆......سلیم سالک

قلم، قلمکار اور کتاب

ابتداء سے جس ادبی رسالہ کو پڑھ کر میرے شعور کو جلا ملی، وہ ماہنامہ ''آجکل'' دہلی ہے۔ یہ واحد سرکاری رسالہ ہے جو مقررہ وقت سے پہلے ہی شائع ہوتا ہے۔ ان دنوں ہر مہینے محبوب الرحمان فاروقی کے جاندار اور شاندار اداریئے ذہن کشا اور بصیرت آموز ہوتے تھے۔ ان میں زبان وادب کے حوالے سے چبھنے والا انداز آج بھی اپنی معنویت رکھتا ہے۔ جس کی بنا پر فاروقی صاحب کو اداریہ لکھنے پر پابندی لگ گئی تھی۔ اسی دور میں عبدالغنی شیخ لداخی کا ایک طویل مضمون ''قلم، قلم کار اور کتاب'' کے عنوان سے چار قسطوں میں شائع ہوا۔ میں نے چاروں قسطوں کا زیراکس کر کے سنبھال کے رکھا، جب بھی نصابی کتابیں پڑھنے سے طبیعت دب جاتی تو میں مذکورہ مضمون سے اقتباسات پڑھ کر ایک نیا حوصلہ پاتا اور پھر اپنے کام میں جٹ جاتا۔ اس سلسلے میں، میں نے شیخ صاحب سے خط وکتابت کی، تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ میرے خطوط کا جواب دیا اور اپنا افسانوی مجموعہ ''دوراہا'' بھی ارسال کیا۔

پھر کئی سال بعد مجھے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب سرینگر میں قیام پذیر ہیں تو میں نے ملاقات کی سبیل نکالی۔ شیخ صاحب کے ساتھ ایک طویل گفتگو ہوئی، جس کا خلاصہ ''کشمیر عظمیٰ''، میں شائع ہوا۔ آخر پر شیخ صاحب مجھے ''قلم، قلم کار اور کتاب'' کا ایک نسخہ عنایت کرتے ہوئے گویا ہوئے کہ قلم، قلم کار اور کتاب......ایک تکون ہے۔ قلم کے متبادل کے طور پر کئی چیزیں سامنے آئیں لیکن ان سے قلم کی افادیت ختم نہیں ہوئی ہے۔ قلم آج بھی ناگزیر

ہے۔انسانی تہذیب کے ارتقاءاور علم وادب کے فروغ میں قلم کا جو کردار رہا ہے۔ وہ ہمیشہ یاد کیا جائے۔ دنیا کی ہر زبان میں قلمی نسخوں کا خزینہ موجود ہے جو تمام انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ یہ باتیں سن کر میں خوشی سے پھولے نہیں سمایا۔ کتاب کی ورق گردانی کرتے کرتے مجھے ''آجکل'' کے وہ شمارے یاد آگئے جن میں یہ مضامین شائع ہو چکے تھے۔ کتاب کے ذیلی عنوانات سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے کس جانفشانی اور جانگدازی سے اوراق سیاہ کئے ہیں۔ کتاب میں شامل واقعات اتنے دلچسپ اور کارآمد ہین کہ ایک بار کتاب ہاتھ میں لیتے ہیں تو ختم کئے بغیر جی نہیں چاہتا۔ کتاب کے ذیلی عنوانات کچھ اس طرح ہیں:

''انسان کیوں لکھتا ہے، داستان گوئی، فرد پر کتاب کا اثر، ادب اور ریاضت، ادب اور حقیقت نگاری، ادیب اور مطالعہ، کچھ کتابوں کی تصنیف کے محرکات اتفاقی تھے، بھوتوں کی ایک مشہور کہانی کیسے لکھی گئی، قلمکار اور خواب، اہم شخصیتیں اور کتاب، ادبی سرقہ، مسوّدہ کی دوبارہ تحقیق، قلمکار کی پہلی کتاب اور کامیابی، زودنویس اور بسیار نویس قلمکار، قلم کا دھنی، نابغۂ روزگار اور مجموعۂ صفات قلمکار، جسمانی نقص اور بیماری رکاوٹ نہیں، قلم کار اور مصائب، قلم کار اور جیل خانہ، قلمکار اور غریبی، قلم کار اور ان کے ناولوں کے کردار، قلم کار اور نقاد، ادبی تخلیقات اور قلم کاروں کی منفرد عادتیں، ممنوعہ کتابیں، یہ کتاب پڑھو، وہ کتاب نہ پڑھو، کیا قلمکار دوسرے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں؟ قلم کاروں کی ازدواجی اور عائلی زندگی، قلم کار اور انسانی کمزوریاں، کیا اعصابی مریض اچھے قلمکار ثابت ہوتے ہیں؟ قلمکار اور خودکشی، مغرب میں کامیاب مصنّفوں کی کتابیں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں بکتی ہیں، غریب اور ترقی پذیر ملکوں میں کتابیں کم پڑھی جاتی ہیں، قلم کار کیا لکھتے ہیں، تیز وتند تحریریں، قلم کار، قلمکار اور قاری، قلمکار اور مدیر، قلمکار اور ناشر، قلمکار اور مربی وغیرہ''۔

حیرت ہوئی ہے کہ شیخ صاحب نے ادیبوں کے شب وروز کی مصروفیات، عادات واطوار لکھنے کا طریقہ، خوبیاں، خامیاں احوالِ زندگی اور ان کی خوشی اور غم سے متعلق

کتابوں، رسائل اور اخبارات کو کھنگال کر دلچسپ معلومات کو ایک جگہ جمع کر کے ایک منفرد کارنامہ انجام دیا، جس کے لئے شیخ صاحب مبارک بادی کے مستحق ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے نمونے کے طور پر کچھ مختصر اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

☆ ایک ادیب کے لئے ۹۹ فیصد فطانت، ۹۹ فیصد ضبط و نظم اور ۹۹ فصد ریاضت درکار ہے۔ (ولیم فالکنر)

☆ جس دن مجھے کتابوں سے جدا کر دیا جائے، وہ میرا آخری دن ہوگا۔ (شیکسپیرؔ)

☆ افلاطون نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "The Republic" کے پہلے جملے کو دلنشین اور دلکش بنانے کے لئے پچاس مرتبہ لکھا۔ ہمینگوے نے اپنے مقبول ناول A Farewell to Arms کا آخری صفحہ ۳۹ مرتبہ لکھا۔ کیتھرئین اپنی پورٹر نے Ship of fools لکھنے میں بیس سال لگائے۔ پوپ ایک شعر لکھنے میں سارا دن لگا تا تھا۔ گولڈ سمتھ چار مصرعے لکھنا دن بھر کا کام سمجھتا تھا۔ The Deserted Village لکھنے میں اسمتھ نے سات سال لگائے۔ زین گیرے صرف کہانی لکھنے کے لئے مہینوں بلکہ سال سے بھی زیادہ مدت تک محنت کرتا۔ وہ اسے بار بار لکھتا۔ کرداروں کو بدلتا۔ پلاٹ میں تبدیلی لاتا اور اسے پڑھتا تھا۔ پانچ سال تک ان کہانیوں سے زین کو ایک دھیلا بھی نہیں ملا۔

☆ عمدہ ادب ایک ماہرِ فن مصنّف کی زندگی کا خون ہوتا ہے۔ (ملٹن)

☆ ایک یہودی کہاوت ہے:

"اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بچے تمہیں یاد رکھیں تو ایک جھونپڑی بناؤ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے پوتے پوتیاں تمہیں یاد کریں، تو پتھروں کا ایک مکان تعمیر کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے پڑپوتے، پڑپوتیاں تمہیں یاد کریں، تو فصیلوں والا ایک شہر آباد کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آنے والی ساری نسلیں تمہیں یاد کریں تو ایک کتاب لکھو۔"

☆ عظیم شاعر براؤننگ کو اس کا پہلا مجموعۂ کلام شائع کرنے کے لئے کوئی ناشر نہیں ملا۔ براؤننگ اس سے اتنا بد دل ہوا کہ اپنا مجموعہ کلام نذرِ آتش کر دیا۔

☆ جارج برنارڈ شا نے ایک مرتبہ ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ان کی نگارشات کا ہر لفظ ایک ڈالر کی قیمت رکھتا ہے۔ ایک شخص نے اپنے خط کے ساتھ ایک ڈالر منسلک کر کے شا کو لکھا کہ ایک لفظ دے دیں۔ شا نے اس ستم ظریف کو جواب میں ایک لفظ لکھا۔ وہ لفظ تھا ''شکریہ''۔

☆ میری تمنا یہ ہے کہ مرنے کے بعد میرا بس چلے تو اپنی قبر میں کتابیں ہی کتابیں رکھوں تا کہ میں انہیں پڑھا کروں۔ (مولانا مودودی)۔

(کشمیر عُظمیٰ ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۲)

............☆☆☆............

کتاب اطالعہ مونس

احب لی من الالنسة

کتاب کا مطالعہ کسی لڑکی سے زیادہ مونس وغمخوار ہوتا ہے بعض علما کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ کتابیں ہی ان کی نسل اور آل واولاد ہوتی ہیں۔ امام بستی نے کہا ہے:

یقولون ذکر المرء یحیا بسنہ ولیس لہ ذکر ان لم یکن لہ نسل
فقلت لھم نسلی بدائع حکمتی فان فاتنا نسل فانا بہ نسل

لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی نسل اس کے ذکر کو زندہ رکھتی ہے۔ اگر اس میں کوئی نسل نہ ہو تو اسے کوئی یاد رکھنے والا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ میرے عمدہ خیالات اور حکمتیں میری نسل ہیں۔ گر چہ ہماری کوئی نسل نہیں مگر یہ کتابیں ہماری نسل ہیں ہمارے ذکر کو زندہ رکھنے کا ذریعہ یہی بات ذوق نے بھی کہی ہے کہ

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو بس یونہی دو پشت چار پشت

بحوالہ حدیثِ عرب وعجم

............☆☆☆............

☆......قمرالزماں خان

پڑھائی کیسے کریں؟

ایک مفکر کا قول ہے کہ You become great by doing small things in a great way بہت ساری باتیں یا کام کیسے بھی کرنے کی بجائے گنتی کے کام ٹھیک ڈھنگ سے کرنا عقلمندی کی بات ہے۔ پڑھائی کرنے کے معاملے میں بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ بے ترتیب الجھن کے ساتھ، ماں باپ یا اساتذہ کے دباؤ میں یا دکھانے کے لئے بہت سارا وقت پڑھائی کرنے کی بجائے صحیح طریقے سے تھوڑا سا وقت دیکر آپ زیادہ بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔کونسلنگ (Counselling) کے لئے آنے والے اکثر طلبہ کے سرپرست صاحبان اپنے بچوں سے ان کی پڑھائی کے متعلق غیر مطمئن رہتے ہیں۔ زیادہ تر والدین کی شکایت ہوتی ہے کہ ان کے بچے یا بچی کے کئی دوست ہیں جن کے ساتھ گھومنے یا باتیں کرنے میں وہ بہت سا وقت ضائع کر دیتا ہے، ٹی وی، موبائل، انٹرنیٹ، دن بھر کانوں میں ایئرفون لگا کر گانے سنتے رہنا جیسے کام تعلیمی عمل میں اثر انداز ثابت ہو رہے ہیں۔ وہیں بچوں کی یہ شکایت ہوتی ہے کہ ان کے والدین ان کو سمجھتے ہی نہیں۔ اپنی مرضی ہم پر تھوپتے ہیں، ہمیشہ پڑھائی کرو بس یہی رٹ لگائے رہتے ہیں۔ ویسے یہ بات تو تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج کی موجودہ نسل کی تعلیم میں دلچسپی و توجہ (Concentration) ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جس سے ٹیچرس و سرپرست سبھی پریشان ہیں وہیں موجودہ نسل میں ذہانت کے اعتبار سے کافی بدلاؤ آئے ہیں۔ نئی نسل کے بچوں کو موبائیل، ٹی وی اور انٹرنیٹ نے نہایت وسعت والا بنا دیا ہے۔ طلبہ اور ان کے سرپرستوں کے درمیان اس دوری جسے

ہم (Generation Gap) بھی کہہ سکتے ہیں کو کسی ماہر تعلیمی کونسلر کے مشوروں سے دور کیا جاسکتا ہے، پڑھائی کیسے کریں؟ یہ کوشش اسی کا ایک سلسلہ ہے۔

مشکل مضامین کا ڈر اور خوف

کچھ مضامین طلبہ کو ان کے دماغوں میں یا لاشعوری طور پر ہمارے ٹیچرس و بزرگوں کی جانب سے برسوں سے چلی آرہی روایتی نفرت، ڈر و خوف اور اکتاہٹ کی وجہ سے نہایت مشکل لگتے ہیں جبکہ حقیقتاً وہ اتنے مشکل نہیں ہیں، اگر مان بھی لیا جائے کہ 30 یا 40 سال قبل ہمارے کسی بزرگ یا ہمارے ٹیچرس کو ان کے زمانے میں ریاضی وانگریزی مشکل لگتے تھے تو آج بھی نئی نسل کے طلبہ کو یہ مضامین اتنے ہی مشکل لگتے ہوں یہ کیسے ممکن ہے۔آج زیادہ تر اردو اسکولوں میں اردو، انگریزی اور ریاضی جیسے مضامین کے نہایت مشکل ہونے کا خوف, ان مضامین کے ٹیچرس کی جانب سے ہی طلبہ کے ساتھ ساتھ سر پرستوں میں بھی بڑی کامیابی کے ساتھ پیدا کیا جاچکا ہے۔یہ خوف پیدا کرنے کے پیچھے ایجو کیشنل مافیا (غنڈوں) کی وہ ٹولی کارفرما ہے جو ہفتہ وصولی کے طور پر طلبہ و سر پرستوں سے ٹیوشن کی فیس بٹورتے ہیں۔ڈر و خوف کی اس نفسیات سے نہایت آسانی سے نکلا جا سکتا ہے۔اس کے لئے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ان مضامین کو پڑھنے، یاد کرنے اور مشق کرنے کے طریقوں کو سمجھ لیا جائے۔خرگوش، کبوتر یا شتر مرغ خطرات کے موقعوں پر صرف اس لئے آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ خطرے کو محسوس کرتے ہی اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا ریت میں منہ چھپا لیتے ہیں اگر خطرات کے موقعوں پر وہ اپنے بچاؤ کی کوئی کوشش کرے تو ممکن ہے پچاس فیصد موقعوں پر وہ بچ جائیں گے۔اس لئے طلبہ و سر پرست صاحبان اپنے دل و دماغ سے ان مضامین کا ڈر و خوف دور کریں اور یہ معلومات حاصل کریں کہ ان مضامین کی پڑھائی کا صحیح طریقہ کیا ہوسکتا ہے۔جیسے ریاضی کی پڑھائی کے لئے اس کلاس سے پہلے کی تمام کلاسوں میں ریاضی میں پڑھائے گئے ضابطے، اصول و حسابی عمل کے طریقے یاد ہوں۔ پہاڑے یاد ہوں اور ریاضی کے ضابطوں، سوالات کے حل، جومیٹری کے مسئلے و اشکال کو زبانی یاد کرنے کی بجائے انہیں لکھ کر بار بار مشق کر کے پڑھنا چاہئے۔

چھوٹا کام بڑا نتیجہ

چھوٹی جماعتوں سے ہی ان مضامین یعنی ریاضی ،اردو ،اور انگلش کے کوئز، سوالات جوابات ،متبادل جوابات والے سوالات (mcq) اردو وانگلش میں 2یا3 منٹ کی تقریر کے مقابلے، ان زبانوں میں پانچ سے دس جملے تحریر کرنے کی مشق ،عام بول چال میں روزانہ ایک نیا جملہ اسی طرح روزانہ پانچ نئے الفاظ ڈکشنری کی مدد سے اردو اور انگلش کے سیکھ کر ان مشکل وخوفناک سمجھی جانے والی زبانوں پر عبور حاصل کیا جاسکتا ہے۔

روزانہ پڑھائی کا ٹائم ٹیبل:

جب اور جو دل میں آیا وہ مضمون اور بے ترتیب وقت کے بجائے روزانہ ٹائم ٹیبل بنا کر اپنی پڑھائی کو اثر انداز اور نتیجہ خیز بنایا جاسکتا ہے۔اسکول کے دنوں اور چھٹی کے دن کا ٹائم ٹیبل الگ الگ ہو۔روزانہ زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے کی نیند، اسکول کا وقت، نہانا، کھانا، ناشتہ، نماز، اسطرح کے ضروری کاموں کے لئے وقت کے علاوہ ورزش وکھیل کے لئے روزانہ ایک گھنٹہ، اخبار وٹی وی پر معلوماتی پروگرام وتبصروں کے لئے ایک گھنٹہ، روزانہ کے ہوم ورک ولکھائی کے کام کے لئے دو گھنٹے، خود آموزی ومشق (Self Study) جس میں پچھلے اسباق کو دہرانا (Recall) کرنے کے لئے دو گھنٹے اس طرح اپنے دن بھر کے چوبیس گھنٹوں کی تقسیم اپنی ضرورت وجماعت کے حساب سے کی جانی چاہئے۔امتحان سے ایک ہفتے پہلے یا چھٹیوں میں پڑھائی کریں گے جیسی سوچ والے کبھی پڑھ نہیں سکتے. اسکول میں روزانہ پڑھائے گئے مضامین کے ہوم ورک انہیں یاد کرنا اور کم از کم ہر ہفتے ایک بار دہرانے کا کام سال بھر میں مسلسل کرنا چاہئے۔جو مضامین آپ کو زیادہ مشکل محسوس ہوتے ہیں انہیں اپنے ٹائم ٹیبل میں زیادہ وقت دیں۔بغیر ٹائم ٹیبل وپلاننگ کے کبھی بھی کوئی بھی مضمون یا صرف اپنی پسند کے مضمون کو بار بار اور زیادہ وقت دینا بھی صحیح طریقہ نہیں ہے۔ٹائم ٹیبل بنانے میں آپ اپنے ٹیچرس سے مدد اور مشورے لے سکتے ہیں۔

(بحوالہ کشمیر عظمیٰ ۵ مئی ۲۰۱۳)

☆☆☆

☆......مرزا بشیر احمد شاکرؔ

کتابیں ہم نشیں میری

کتابوں کی یہ دنیا بھی دیکھو کیا نرالی ہے
عجائب اور غرائب کی یہ دنیا لا مثالی ہے
نبیؐ رحمت کو پہلی وحی میں ہی مِل گئی شاہراہ
کرو آغاز پڑھنے کا بنام حضرتِ اللہ
شُکر پیارے نبیؐ کے فیض سے ہوں میں نہ بیگانہ
شکر شمع علم کا میں ہوں اِک ادنیٰ سا پروانہ
کتابیں میری دولت ہیں یہی میرا ہے سرمایہ
کتابوں کا ہی میرے ذہن و دِل پر ہے گھنا سایہ
کتابوں سے مجھے اپنی کہوں کیا؟ کیسی اُلفت ہے
یہ میرا وہ اثاثہ ہے جو سچ مچ بیش قیمت ہے
علم دولت ہے جو آ کے کبھی واپس نہیں جاتی
بڑھاوا اِس کی فطرت ہے کمی اس میں نہیں آتی
کتابیں رہنما ہوتی ہیں جو راستہ دِکھاتی ہیں
کہاں جانا ہے کیا کرنا ہے یہ ہم کو سکھاتی ہیں

کتابوں سے محبت ہونے کے ناطے میں شاداں ہوں
مجھے ہے دوستی اِن سے بہت اس پر میں نازاں ہوں
کتابوں کے مطالعہ سے میرا دِل شاد رہتا ہے
اور اِک گونہ طراوت اور فرحت یہ بخشتا ہے
شگوفے دِل کے کھلتے ہیں مطالعہ جب بھی کرتا ہوں
بیاضِ دِل میں اپنے خاص باتیں لِکھ کے رکھتا ہوں
کہانی یہ سُناتی ہیں ہمارے اپنے آباء کی
کہانی کُچھ تو گزرے اور آئندہ زمانے کی
کتابوں پر یہ دِل میرا ہوا ہے والہ و شیدا
خدا کا شکر ہے میرے لئے یہ نعمتِ عظمیٰ
میں اِک بھنور کی مانند پھول کا رس چوس لیتا ہوں
کتابوں کے چمن میں شوق سے میں گھوم پھرتا ہوں
عنایاتِ الٰہی سے یہ ذوق و شوق میرا ہے
اُجالا ہی اُجالا ہر طرف روشن نظارا ہے
کتابیں ہم نشیں میری وجو میرے ساتھ رہتی ہیں
یہ علم و حکمت و عقل و خرد کی بات کہتی ہیں
کتابیں اپنے اندر اِک نرالی شان رکھتی ہیں
حقیقی علم ہو اِن میں تو دِل کو یہ بدلتی ہیں
کتابیں مونس ہوتی ہیں یہ ساتھی ساتھ نبھاتی ہیں
دِکھا کر کرشمہ اپنا بات اگر بگڑی تو بناتی ہیں

کبھی مجھ کو ہنساتی ہیں کبھی مجھ کو رُلاتی ہیں
کبھی بیدار رکھ کر نیند میری ہی اُڑاتی ہیں

کتابوں کی الماری میرے کمرے کی زینت ہے
نظر رہتی ہے اس پر اور اس میں جو بصیرت ہے

کتابوں کا یہ کمرہ اِک مہکتا میرا گلشن ہے
خوشی سے چہچہاتا ہوں میں بُلبل یہ میرا گلبن ہے

رسالوں کے شمارے یہ مجلّے یادگاری ہیں
یہ گُل دستے ہیں اور اِن کی ادائیں مجھ کو پیاری ہیں

تفاسیر کا بیان

کتابیں اُتری ہیں پیغمبروں پر آسمانوں سے
درج قرآن میں ہے یہ یقین کے واسطے پڑھ لے

بہت اعلیٰ بہت افضل کتابوں میں صحیفوں میں
فقط قرآن اپنا ہے زمینوں آسمانوں میں

یہ تفسیریں قرآن کی عظمتوں کا ہے بیان اِن میں
مُفسر اِن کی قبروں میں شامل رحمتیں جن میں

یہ تفسیر حضرتِ ابنِ کثیر کی دِل نشین تفسیر
فصاحت اور بلاغت کی یہ ہے اِک مستند تفسیر

کتابوں کے خزینوں میں میری، تفسیر رازیؔ ہے

عظیم المرتبت عالم کی یہ خارہ شگافی ہے
لگی میری کتابوں میں ہے یہ تفسیر عثمانیؔ
جو کرتی ہے میرے دین اور ایمان کی نگہبانی
لکھی تفسیر قرآن کاندھلہ کے اِس مفسر نے
علامہ شیخ التفسیر حضرتِ ادریسؔ صاحب نے
ہے مدفن جن کا لاہور شہر پاکستان میں دیکھو
یہ عالیشان کتاب حضرتؒ کی سیرت پر ذرا دیکھو
پڑھو یہ معارف القرآن یہ بھی کارنامہ ہے
یہ اُس مفتی شفیع صاحب کا تفسیری خزانہ ہے
یہ تفہیم القرآن بھی بار بار پڑھنے کے لائق ہے
یہ تفسیر بالیقین شاہکار ہے اور کیا ہی فائق ہے
یہ تفسیر حضرت ماجدؔ کی پڑھ کر دل بہلتا ہے
جنونِ عشق میرا ہے اُچھلتا ہے مچلتا ہے
میں ہند کے بوالکلام آزادؔ کو جب یاد کرتا ہوں
قلم کے جس سے نکلا الہلال وہ یاد کرتا ہوں
فصاحت اور بلاغت کا مرقع ترجمہ اُسکا
کلام اللہ کی یہ دلنشین تفسیر، بیان اُسکا
کیا ہے ترجمۂ قرآن مہاجر میر واعظ نے
وطن سے دور رہ کر عالمِ ذیشان مفسر نے

احادیث کا بیان

احادیثِ مبارک ہیں جو فرموداتِ پیغمبرؐ
بخاری، ترمزی، مسلم یہ موطأ سب ہیں روح پرور
ابوداؤد، مشکوٰۃ ، ابنِ ماجہ ہے بہت افضل
جو پڑھتا ہوں تو ہوتی ہے دِل زنگ خُوردہ کو صقیل
بزرگوں نے کہا ہے گفتہٗ اُو گفتہٗ اللہ
نہیں ہے ریب اس میں کچھ ہے از حلقوم عبداللہ
حدیثوں کے معارف لکھ گئے منظور نعمانی
وہ راسخ فی العلم تھے اور عالم تھے وہ ربانی

سیرت مبارکہ

ہے سیرت سرورِ عالم کی نور ہر اک اندھیرے میں
یہ خوشبو علم و عرفان کی ہے اس سے میرے کمرے میں
پڑھو طبقات ابنِ سعد کی یہ مستند سیرت
یہ ہے صدیوں سے جس میں ہے مکمل ذکرِ آنحضرتؐ
کتابیں ہیں بہت اپنے نبیؐ کی پاک سیرت پر
ہیں گلہائے عقیدت اُن کی عظمت پر نبوت پر
وہ اِک عالی مقام سیرت نگار قاضی سلیمان بھی

وہی یہ ''رحمۃؑ للعالمین'' تحریر جس نے کی
نبیؐ کا تذکرہ ہے رحمۃ للعالمین اُن کی
کرے حق مغفرت سیرت نگار منصور پوری کی
قصیدہ بُردہ ہے اِک معجزہ حضرت محمدؐ کا
ہوئے تھے جلوہ گر بوصیری کو اور اپنا ردا بخشا
زبانِ کاشمیری میں ہوا ہے ترجمہ اس کا
رشید نازکی ہے نام بلند پایہ مترجم کا
کتابیں اپنے محسن بوالحسن ندوی کی پڑھتا ہوں
دماغ ودِل کی بے چینی سکون سے میں بدلتا ہوں
ہے یہ المرتضیٰ حضرت علی کی پاک سیرت پر
ہیں اس تصنیف میں علمی دلائل اُن کی عظمت پر
عظیم المرتبت عالم، مفکر ، بوالحسن بدوی
وہ لکھنو میں جو ہوتے تھے قلم سے اپنے یہ لکھی
کتابوں میں بہت عُمدہ ہے الفاروق شبلی کی
یہ ہے سیرت جناب حضرت فاروق اعظم کی
نعوت ومنقبت کی یہ کتابیں کیا ہیں لاثانی
پڑھیں جوشوق سے ان کوتو دل ہوتا ہے نورانی
ہے یہ سرمایہ میرا اور زادِ سفر میرا
نبیؐ کی شان میں جامؔی کے یہ نعتوں کا مجموعہ

یہی پڑھ پڑھ کے میری مشکلیں آسان ہوتی ہیں
نبیؐ کا نام لے لے کر دُبالا شان ہوتی ہیں
نرالا رنگ ہے ڈھنگ ہے عجب جامیؔ کے نعتوں کا
مبارک ساعتوں کا ذکر دنوں کا اور راتوں کا
مجھے یاد آرہے ہیں اہلِ دل اہلِ قلم واللہ
کتابیں اُن کی شاہد ہیں ہوئے تھے علم پرشیدا
معارف مثنوی کے جب میں وقتِ شام پڑھتا ہوں
میں اپنی روحِ ایمان کو اُسی دم تازہ کرتا ہوں
وہ داتا گنج بخش لاہور والے کی طرف دیکھو
تصوف پر کتاب ان کی بہت مشہور ہے دیکھو
ہے اس کا نام دِل کو چھونے والا کشف المحجوب
مصنف اس کے عاشق محبوبوں میں کیا محبوب
امام سرہندی کے جب بھی مکتوبات پڑھتا ہوں
عجب اک لذّت روحانیت محسوس کرتا ہوں
غزالی کی یہ احیاء العلوم اک کارنامہ ہے
اسی سے عالمِ اسلام اکثر فیض پاتا ہے
گلستان، بوستان ہیں دو کتابیں شیخ سعدیؔ کی
اور یہ دیوانِ حافظؔ گویا صہبا عشق ومستی کی
رباعیاتِ عمر خیّامؔ بے خود و مست کرتی ہیں
اثر پُر کیف ہے ان کا یہ مستی میں ڈبوتی ہیں

ہوا مشہورِ فردوسیؔ بھی اپنے کارنامے سے
زبانِ فارسی میں شاہنامہ کے وہ لکھنے سے
لکھی ہے نخشبی نے داستانِ عشق اثر انگیز
کیا مقبول شاہ نے ترجمہ اسکا جو ہے گُلریز
پڑھی جاتی تھی یاں راتوں کو یہ پرانے زمانے میں
کہاں وہ لوگ ہیں مٹی میں ماضی کے فسانے میں
نہیں دِل چاہتا تھا یہ لمبی رات ڈھل جائے
یہ قصہ گو ہمارا خوش گلو ہم سے نہ ٹل جائے
سنائی جاتی تھی وہ گُل بکاول ، گُل صنوبر بھی
وہ رستم ، سام نامہ قصہ یوسف زلیخا بھی
دیہاتوں میں وہ رہنے والے جب بھی یاد آتے ہیں
جو یہ قصے سناتے تھے مجھے اکثر رلاتے ہیں
دیا اوراد کا نُسخہ ہمیں اُس شاہِ ہمدان نے
بشارت جس کی پائی روضہ اطہر سے سید نے
کتابیں تھانوی اشرف علی حضرت کی پڑھتا ہوں
ان ہی کو نظر میں رکھ کر میں باطل سے نہ ڈرتا ہوں
علامہ سید انور شاہ لولابی وہ کشمیری
ہیں موتی اُن کے ملفوظات لسانی ہوں کہ تحریری
کتابوں کے یہ دفتر اُس نے اپنے دل میں رکھے تھے
علم کی بات جب کرتے دُرِ عدن وہ جھڑتے تھے

یہ دیوانِ غنیؔ شیریں سخن وہ کشمیری
پڑھو یہ فارسی میں اور دیکھو اس کی شیرینی

ہیں اپنے شیخ العالم نند ریشی کی یہ تحریریں
کتاب اللہ کی لگتی ہیں دل آویز تفسیریں

ہماری لل دید کشمیر کی وہ عارفہ کامل
ہیں اس کے واکھ گویا دُر اور تھی اور بحق واصل

یہ تاج العارفین کیا ہے قاسم شاہ بخاری کا
ہے یہ منظوم عربی ترجمہ ورد المریدین کا

ادبیات

ادیبوں، محققوں نے ہیں سجائے علم کے گلشن
نکھارا شاعروں نے اپنی محنت سے یہ اپنا فن

سخن ور مرزا غالبؔ کا یہ دیوان جب بھی پڑھتا ہوں
خدا سے مغفرت اُن کے لئے میں طلب کرتا ہوں

ہیں وہ آسودہ دلی میں خدا کی رحمت ہو اُن پر
یہ اُردو ناز کرتی ہے اُس شاعر سخن ور پر

یہ حالیؔ کی مسدس دیکھ کر خوش ہوں میں حالیؔ پر
خدا کی رحمت اُسکی قبر پر اور روحِ حالیؔ پر

دیا پیغام اس میں زندہ رہنے اور جینے کا
کیا سامان روحِ سرسید کو شاد رکھنے کا

کیا ہے ترجمہ اسکا شہیدؔی کاشمیری نے
عرق ریزی سے کشمیری میں اس ماہرِ سخن ور نے

کلام حضرتِ اقباؔل روح پور کلام اُن کا
کتابوں کی بدولت عالم ہوتا ہے پیام اُن کا

کتابیں اس کو یورپ میں جو آباء کی نظر آئیں
دِل اقبال کو سیپارہ کر کے فکر پر چھائیں

یہ بالِ جبرئیل ، بانگ درا ، ضربِ کلیم اُن کی
جگا دیتی ہیں غفلت سے سدا ہے یہ صدا اُن کی

پڑھو جاوید نامہ اور اُڑو افلاک میں دیکھو
زیارت کرلو واں روؔمی کی اور روحِ غنؔی دیکھو

تخیل میں وہاں تم دیکھ لو گے شاہِ ہمدان کو
انہی کا فیض بے پایاں یہاں کشمیر میں دیکھو

یہ اسرارِ خودی کا ترجمہ اور اُس ناؔز کا انداز
کیا یہ کام کشمیری میں ، تھا کولگام کا وہ ناؔز

وطن کو چھوڑ کر نکلا چلا تھا سوئے پاکستاں
وہاں کی خاک میں یہ بے بہادُر ہوگیا پنہاں

حفیؔظ بالندھری نے بھی لکھا شاہ نامہ اسلام
بہت ہی لائقِ تحسین ہے مرحوم کا یہ کام

ندا ہاتفؔ نے دی تھی ان کو ایسا کام کرنے کی
اشارہ مل گیا تھا خدمتِ اسلام کرنے کی

کشیر اک ولولہ انگیز کتاب تاریخ کشمیر پر
لکھی صوفی محی الدین نے ہیں اس میں علم کے دفتر

یہ تاریخ حسن بھی پڑھ ذرا بنڈ پور والے کی
یہاں کیا کیا تھا کیا گزرا ہے یہ بھی تو بتائے گی

یہ تاریخی کتابیں نیلمت پُراں ، راج ترنگنی بھی
ہیں زندہ لکھنے والے ان کتابوں کے بدولت ہی

وہ آزاد اِک سخن ور کاشمر کا ایک دانشور
نظم اُس کی ہے دریا شاعری میں انقلاب پرور

ہے یہ کلیاتِ مہجور شاعرِ کشمیر بھی اعلیٰ
رسیلی اس کی غزلیں ہیں اور نظمیں دل پسند واہ واہ

یہ اخبارات کے اوراق ہیں پرانے زمانے کے
ہیں دستاویز یہ تاریخ کے اپنے زمانے کے

یہ شش رنگ، رنگ دوے جنابِ ٹینگ صاحب کی
یہاں کشمیر میں نکلی ہیں ادبی کیا ہی تحقیقی

قلم کار ، معتبر محقق نثر کے خواجہ کہلائے
خدا خواجہ کو دے توفیق علم کو اور پھیلائے

وہ اکبر حیدری محقق جو تھے اپنے زمانے میں
کتابیں بے بہا ہیں انکی اُردو کے خزانے

عُمر بھر اُس نے اس اُردو زبان کی آبیاری کی
کتابیں چھوڑ دیں اپنے پیچھے یہ خدمت گزاری کی

شبیبؔ رضوی بھی ایک کہنہ مشق اُردو کے متوالے
قلم سے اُس نے اپنی شاعری کے پھول برسائے
کتابیں اُس کی شاہد ہیں ہنر مندی یہ اُس کی ہے
تخیل اُسکا اُونچا ہے فکر کی یہ بلندی ہے
وہ دینا ناتھ نادمؔ شاعری کی آبرو وہ بھی
وہ کشمیری زبان کا اِک نظم گو اور غزل گو بھی
وہ اپنی شاعری کا اِک نیا انداز رکھتا تھا
زمانے کے تقاضوں سے بلند پرواز رکھتا تھا
محی الدین اخترؔ افسانہ نویسی میں جو یکتا تھا
ادب کے آسمان پر تارے کی مانند وہ چمکتا تھا
وہ موتی لال ساقیؔ آنجہانی ایک دانشور
قلم سے جس کی نکلی ہیں کتابیں عمدہ و بہتر
پیتمبر ناتھ در فانیؔ جو کشمیری سخن ور ہے
وہ اُردو کا بھی محسن ایک کہنہ مشق شاعر ہے
یہاں گزرے ہیں عارفؔ، نازکیؔ اور حاجنیؔ مرحوم
ابھی ہیں آج راہیؔ وہ فراق مرغوبؔ ہے جنکی دھوم
جنابِ شیخ اقبالؔ برزلہ کے عالِم و فاضِل
تواریخ دان، مصنف اور اسلامیات میں کامِل
بہت ہیں اور یارانِ وطن احبابِ محفل میں
ہے انکی عزت وتکریم برابر میرے اس دل میں

زمانہ کتنا بدلا کیسے کیسے انقلاب آئے
یہ سب منظر کتابوں سے ہی بس ہم کو نظر آئے

میں کس کس اہلِ دل اہلِ قلم کا تذکرہ لکھوں
کہاں ممکن ہے یہ سلسلہ در سلسلہ لکھوں

ثنائے ربّ میں پڑھتا ہوں اسی پر بس میں کرتا ہوں
قلم کو روکتا ہوں اور تخیل چھوڑ دیتا ہوں

دُعا مانگوں کتابیں ہی قبر میں ہوں میرے ساتھ
وہاں فضلِ الٰہی سے رہے قرآن ہی میرے ہاتھ

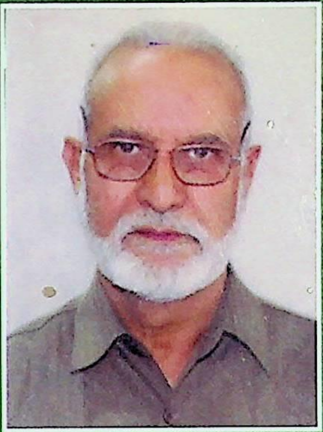
خداوندا! وہاں بھی مجھ کا یہ ذوقِ مطالعہ دے
کتابیں دیکھنے کا ڈھونڈنے کو ولولہ دے دے

وہاں بھی ہوں کتابیں عالموں کی رہنما میری
کروں میں اکتسابِ فیض یہی ہے التجا میری

ڈبوئی خونِ دل میں انگلیاں بے چارہ شاکرؔ نے
پھر اس نے داستان لکھ دی کتابوں کی تہہ دل سے

...........☆☆☆...........

KITABEIN HUMNASHEIN MERI



ساوتھ کیمپس کشمیر یونیورسٹی اسلام آباد (اننت ناگ) کے اہتمام سے کتابوں کے عالمی دن کی تقریب میں ڈاکٹر ایم، اے بابا، چیف لائبریرین (علامہ اقبال لائبریری) نے اپنے مقالے میں کتابوں کی اہمیت، ضرورت اور افادیت پر تفصیلی روشنی ڈالی، چنانچہ اپنے مقالے کو مرزا بشیر احمد شاکرؔ کی نظم "کتابیں ہم نشیں میری" کے چند اشعار سے اختتام پذیر کیا اور پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ادھر میرے ذہن میں شاکرؔ صاحب کی علم دوستی، شوقِ کتب بینی اور اصحابِ علم و دانش سے ان کے قلبی تعلق کی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ آج کل کے صنعتی، تکنیکی اور مادی قدروں کی چکا چوند میں شاکرؔ صاحب جیسے لوگ غنیمت ہیں، جنہیں کتابوں سے زبردست شغف اور صاحبانِ تصنیف و تالیف سے بے پناہ عقیدت ہے۔ راقم السطور نے گزشتہ بیس برسوں کی شناسائی کے دوران شاکرؔ صاحب کو کتابوں کا شیدائی، مخطوطات کا گرویدہ اور علامہ اقبالؔ کے فکرو نظر کا مداح پایا۔ چنانچہ ڈاک خانے کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ان کا ذوقِ کتب بینی دو چند ہوتا رہا اور علمی و ادبی مجالس میں نہایت انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں درازیٔ عمر عطا کرے تاکہ علم و ادب کی خدمت و اشاعت میں اپنا بے ریا حصہ ادا کرتے رہیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

پروفیسر بشیر احمد نحویؔ

سابق ڈائریکٹر اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی

Meezan Publishers & Distributors